سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیماں

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۴ء

خانقاہ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ، مکھڈ شریف (اٹک)

حضرت مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

وصال مبارک ۳ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ/ 1912ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سہ ماہی مجلہ

قندیلِ سلیمان

مکھڈ شریف (اٹک)

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۴ء

بفیضان نظر: شہبازِ چشت حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

بیادگار: حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ مکھڈ شریف

تصوف و روحانی اقدار کا ترجمان

زیر سرپرستی

مدظلہ العالی
حضرت مولانا فتح الدین چشتی

مدیر اعلیٰ

محمد ساجد نظامی

مدیر منتظم

ڈاکٹر محمد امین الدین

مدیر معاون

محسن علی عباسی

مجلس تحریر و مشاورت

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
شاکر القادری چشتی نظامی ——— اٹک
ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
پروفیسر نصر اللہ معینی، منہاج انٹرنیشنل یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر طاہر مسعود قاضی، الخیر یونیورسٹی، بھمبر (آزاد کشمیر)

ہدیہ سالانہ: 500 روپے

فی شمارہ: 150 روپے

سرکولیشن منیجر: فدا حسین ہاشمی ● کمپوزنگ: ذوالفقار احمد 0312-5097468 ● تصاویر: محمد زاہد محمود

فون: 0334-8506343 | 0343-5894737
0346-8506343 | 0333-5456555

ای میل: qandeel.e.suleman@gmail.com
sajidnizami92@gmail.com

مضمون نگاروں کی آرا سے
ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں.

فون 0343-5894737، 0346-8506343، 0333-5456555

ای میل sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

حدیقۂ شریعت:

صلی اللہ علیہ وسلم

اداریہ

''دبستانِ نظام'' میں ڈاکٹر اسلم فرخی نے ایک واقعہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔فرماتے ہیں۔

''حضرت سلطان المشائخؒ نے ایک مرتبہ یہ واقعہ بیان فرمایا کہ دوآدمیوں میں بحث ہوگئی۔ایک کا کہنا تھا کہ متقی تائب سے افضل ہے۔دوسرے نے یہ خیال ظاہر کیا کہ نہیں تائب کا مرتبہ بلند ہے۔دونوں میں بڑی بحث ہوئی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔آخر دونوں اپنے عہد کے پیغمبر کے پاس گئے اوران سے فیصلہ چاہا۔کہا آپ فیصلہ کریں۔کس کا خیال صحیح ہے۔پیغمبر نے کہا۔فیصلہ میں بھی نہیں کرسکتا۔وحی الٰہی کا انتظار کرتا ہوں۔اسی دوران وحی نازل ہوئی کہ آج رات تم دونوں ایک ہی جگہ رہو۔صبح کو گھر سے نکلو، جوآدمی سب سے پہلے ملے۔اس سے یہ سوال دریافت کرلو۔ دونوں آدمی واپس چلے گئے۔دوسرے دن صبح گھر سے نکلے۔جوآدمی سب سے پہلے نظر آیا، انھوں نے اس سے پوچھا۔یہ بتایئے کہ وہ آدمی جس نے کبھی گناہ نہیں کیا بہتر ہے یاوہ آدمی جس نے گناہ کرکے توبہ کرلی ہے۔وہ آدمی ''حق، حیران'' کہنے لگا۔بھائی میں توایک کپڑا بننے والا بے علم آدمی ہوں۔تمھارے سوال کا کیا جواب دوں۔ہاں یہ ضرور جانتا ہوں کہ میں جو کپڑا بنتا ہوں اس میں اکثر تارٹوٹ بھی جاتے ہیں۔میں انھیں جوڑ دیتا ہوں۔یہ جڑا ہوا تار نہ ٹوٹنے والے تار سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔دونوں آدمی یہ جواب سن کر پیغمبر کی خدمت میں واپس گئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔پیغمبر بولے کہ تمھارے سوال کا جواب یہی تھا۔مطلب یہ کہ تائب کا مرتبہ متقی سے بلند ہوتا ہے۔گناہ کی منزل سے گزر کر تقویٰ کی سعادت حاصل کرنا استقامتِ طبع کی دلیل ہے۔''

ہم من حیث القوم گناہ کی لذات میں گم ہیں۔اُس غفور ورحیم ذات کا درِ رحمت ہمیشہ سے کھلا ہے۔اگر ہم صدقِ نیت کے ساتھ توبہ کی منازل طے کرلیں تو کامیابی ہماری منتظر ہے۔آج پورا ملک ذہنی خلفشار کا شکار ہے۔ہر جماعت کا لیڈر خود کو نجات دہندہ قرار دے کر نئے نئے حربوں

سے پوری قوم کو بے وقوف بنائے ہوئے ہے۔ زعمائے ملت کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر کے قوم کو اس مشکل گھڑی سے نکالنا ہے۔

دینِ اسلام عقائد و عبادات کے علاوہ اخلاقیات و معاملات میں بھی راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ سیر انبیا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وصحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین وصوفیا کی زندگیوں میں ہمیں لاتعداد ایسے واقعات ملتے ہیں جو اخلاقیات و معاملات میں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ ضرورت صرف صدقِ دل سے اُس معاشرت کو اپنانے کی ہے جس کی جھلک صوفیا کی مجالس میں ہمیں دکھائی دیتی ہے۔

○

"قندیل سلیماں" کی اگلی اشاعت میں خصوصی طور پر "حضرت مولانا غلام زین الدین چشتی "تر گوی" کے احوال و آثار، ملفوظات، مکاتیب، اشاعتِ اسلام کے لیے آپ کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اہلِ قلم اس سلسلہ میں اپنی تحریریں ماہِ نومبر کی ۱۵ تاریخ تک ارسال فرمادیں۔

○

"قندیلِ سلیماں" کا چوتھا شمارہ حاضر خدمت ہے۔ زیرِ نظر شمارے میں نئے موضوعات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اہلِ قلم حضرت سے گذارش ہے کہ اپنے مضامین بروقت "قندیل سلیماں" کے لیے بھیج دیا کریں تا کہ قارئین انتظار کی کوفت سے بچ سکیں۔

مدیر

حمد

مولانا ظفر علی خاں

پہنچتا ہے ہر اِک مے کش کے آگے دورِ جام اُس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اُس کا
گواہی دے رہی ہے اُس کی یکتائی پہ ذات اُس کی
دوئی کے نقش سب جھوٹے ، ہے سچا ایک نام اُس کا
ہر اِک ذرہ فضا کا داستاں اُس کی سناتا ہے
ہر اِک جھونکا ہوا کا آ کے دیتا ہے پیام اُس کا
نظام اپنا لیے پھرتا ہے کیا خورشید نور افشاں
ہزاروں ایسی دنیاؤں کو شامل ہے نظام اُس کا
سراپا معصیت میں ہوں ، سراپا مغفرت وہ ہے
خطاکوشی روِش میری ، خطاپوشی ہے کام اُس کا
مِری افتادگی بھی میرے حق میں اُس کی رحمت ہے
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اُس کا
ہوئی ختم اُس کی حجت اِس زمیں کے بسنے والوں پر
کہ پہنچایا ہے ان سب تک ، محمد نے کلام اُس کا
بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر
مگر نور اپنی ساعت پر رہا ہو کر تمام اُس کا

☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

سیّد تنویر احمد، فتح جنگ

دیارِ مصطفیٰ سے رابطہ ہے
مرا خیر الوریٰ سے رابطہ ہے
تصور میں بسا ہے سبز گنبد
مرا ارض و سما سے رابطہ ہے
جفائیں سہہ کے دیتا ہے دعائیں
مرا اُس خوش ادا سے رابطہ ہے
کوئی مشکل مجھے مشکل نہیں ہے
مرا مشکل کشا سے رابطہ ہے
میں پڑھتا ہوں درودِ پاک ہر دم
مرا ہر دم خدا سے رابطہ ہے
مرے پیغام جاتے ہیں مدینے
مرا بادِ صبا سے رابطہ ہے
مجھے توقیر بخشی ہے خدا نے
مرا حمد و ثنا سے رابطہ ہے
اندھیرے بھاگتے ہیں مجھ سے احمدؔ
مرا مہرِ حرا سے رابطہ ہے

☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

سیّد شاکر القادری، اٹک

اِک نور سا تاحدِ نظر پیشِ نظر ہے
میں اور مدینے کا سفر پیشِ نظر ہے
ہر چند نہیں تاب مگر دیکھیے پھر بھی
وہ مطلعِ انوار سحر پیشِ نظر ہے
جو میرے تخیل کے جھروکے میں کہیں تھا
صد شکر وہ مقصودِ نظر پیشِ نظر ہے
بخشش کا وسیلہ ہے ہر اِک اشکِ ندامت
کچھ خوف ہے باقی نہ خطر پیشِ نظر ہے
اس بارگہِ ناز کا صد رنگ نظارہ
ہر لحظہ بہ اندازِ دگر پیشِ نظر ہے
ہر چند سوئے کعبہ ہیں سجدے مرے لیکن
وہ قبلۂ ہر اہلِ نظر پیشِ نظر ہے
گو فردِ عمل میری گناہوں سے بھری ہے
ہر لحظہ کرم ان کا مگر پیشِ نظر ہے
کیا بام و درِ خلد نگاہوں میں جچیں گے
فردوس کے سردار کا در پیشِ نظر ہے
مانگی تھیں جو با دیدۂ تر میں نے دعائیں
ایسی ہی دعاؤں کا اثر پیشِ نظر ہے
میں اور مواجہ پہ یہ لحاتِ حضوری
آرامِ دل و نورِ نظر پیشِ نظر ہے

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

فاروق فیصل تونسوی، بہاولپور

تھی طائرِ خیال کے پَر کی چمک دمک
جب نعت کی ردیف میں دیکھی چمک دمک

جچتی نہیں نظر میں کسی کی چمک دمک
ہے مدحتِ رسول کی ایسی چمک دمک

ہوتی رہے گی بارشِ انوار لم یزل
جب تک ہے کائنات ، رہے گی چمک دمک

میں نعت کہہ رہا ہوں یہ اُس کا ہی فیض ہے
جس نے مرے شعور کو بخشی چمک دمک

پیشِ نظر ہو روضۂ شاہِ اُمم اگر
آنکھوں میں زائروں کے رہے گی چمک دمک

مصروفِ ذکر جو بھی ہوا ان کی بزم میں
چہروں پہ اُن کے نور کی پھیلی چمک دمک

جن کے قدم سے رونقِ بزمِ حیات ہے
دونوں جہاں میں ان کی ہے اپنی چمک دمک

پھوٹی کرن کرن ہے زباں پر درود سے
حُبِّ نبی کی دل میں جب اتری چمک دمک

فیصلؔ غلام ہوں میں محمد کی آل کا
سارے جہاں نے دیکھی ہے جن کی چمک دمک

☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

شوکت محمود شوکت، چھب (اٹک)

آنکھوں میں لیے حسرتِ دیدارِ مدینہ
زندہ ہے ابھی تک تو پرستارِ مدینہ

ہیں منبعِ خوش بوئے گلِ تازہ، ہوائیں
ہے رشکِ جناں زینتِ گل زارِ مدینہ

جچتی نہیں آنکھوں میں مہ و مہر کی تابش
بستے ہیں مرے دل میں وہ انوارِ مدینہ

اے کاش کہ ہو خاکِ مدینہ مرا مدفن
اے کاش بلا لیں مجھے سرکارِ مدینہ

عقبیٰ کی تمنا ہے نہ خواہش ہے جہاں کی
یہ دل کہ ازل سے ہے طلب گارِ مدینہ

قابو میں دلِ بسمل و مضطر نہیں رہتا
جیسے ہی نظر آتے ہیں آثارِ مدینہ

دنیا میں مداوا نہیں شوکتؔ مرے غم کا
بیمارِ مدینہ ہوں، میں بیمارِ مدینہ

☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ

امیر حسن سجزیؒ/ڈاکٹر اسلم فرخی

تو شاہ ما اسیرِ کمندِ غلامیم
بر یاد نیک نام تو در نیک نامیم
تعریفِ تو بقاعدہ خواجگی خوش است
تشریف ما ببیں کہ بداغِ غلامیم
گفتی چہ حاصل است شما را ز عافیت
شاہا مپرس ایں لغت از ما کہ عامیم
چشمت بہ نیم غمزہ جہانے خراب کرد
آں ترک را بگوئے کہ ما اہتمامیم
گفتم بہ پنج بیت بیادت چو پنج گنج
ما خود حسنؔ نہ ایم غلام نظامیم

ترجمہ:

۱۔ تم بادشاہ ہو، ہم تمھاری غلامی کی کمند میں اسیر ہیں اور تمھارے نیک نام کی یاد سے نیک ناموں میں شمار ہوتے ہیں۔

۲۔ آپ کی تعریف خواجہ ہونے کی وجہ سے بجا ہے۔ ہمارا شرف یہ ہے کہ ہم پر آپ کی غلامی کی مہر لگی ہوئی ہے۔

۳۔ آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ تمھیں عافیت سے کیا حاصل ہے۔ اے بادشاہ یہ مشکل لفظ ہم سے نہ پوچھیے ہم عامی ہیں۔

۴۔ تیری آنکھوں کے نیم غمزے نے جہاں کو خراب کر دیا۔ کوئی اس ترک سے یہ کہہ دے کہ ہم اہتمام کرنے والوں میں ہیں۔

۵۔ تیری یاد میں ہم نے پانچ شعر خزانوں کی طرح لکھے۔ ہم حسنؔ نہیں غلام نظامؒ ہیں۔

☆☆☆☆☆

عرضِ حال بہ حضورِ اقبالؒ

ڈاکٹر ارشد محمود ناشادؔ، اسلام آباد

اے امیرِ حرف و معنی ، فکر و فن کے شہریار
سوز و سازِ شرق ہے تیرے سخن سے آشکار

فکرِ تازہ سے تری ، ہے باغِ حکمت مستنیر
تیرے نغموں سے گلستانِ سخن میں ہے بہار

منکشف تھا تجھ پہ سب اقوام کا طرزِ عمل
تیرا سینہ تھا معارف کا حقیقی رازدار

عارفِ رمزِ خودی ، اے ترجمانِ حرفِ شوق
فکر تھی تیری رسا ، تیرا تخیل تاب دار

دیدۂ خوابیدہ کو تُو نے جگایا خواب سے
غافلانِ ہند کو تو نے کیا تھا ہوشیار

دے کے درسِ خودگری تُو نے سکھایا تھا ہمیں
محفلِ اقوام میں غیرت سے جینے کا شعار

حیف! بھولے ہیں ترے پیغامِ خودداری کو ہم
قوتِ بازو پہ اپنی کر سکے کب انحصار؟

ہم کہ ہیں اب بھی اسیرِ حلقۂ دامِ فرنگ
اٹھ گیا ہے بزمِ عالم سے ہمارا اعتبار

ذلت و نکبت کے سائے ہم پہ ہیں سایہ فگن
غیرت و ناموس کی چادر ہوئی ہے تار تار

عرصۂ تحقیر میں رہنا گوارا کر لیا
کھو چکے ہیں عظمتِ رفتہ کا عز و افتخار

''وائے ناکامی ، متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا''

☆

وجوہ تسمیۃ القرآن

ڈاکٹر طاہر مسعود قاضی ☆

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے کئی کتابیں نازل کی ہیں۔اس سلسلۂ نزول کی آخری کتاب، اللہ کے آخری رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوئی۔جس طرح ہر کتاب کسی نام سے معروف ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کی طرف سے حتمی ہدایات سمیٹے آخری نازل شدہ کتاب ''القرآن'' کے نام سے معروف ہے۔

اس کتابِ مقدس کی آیات بھی اس کا نام لے کر تعارف کرواتی ہیں۔مثال کے طور پر:۔

اَلرَّحْمٰن ہ عَلَّمَ الْقُرْآن(۱)

رحمٰن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن

اِنَّہٗ لَقُرْآنٌ کَرِیْم(۲)

بیشک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلا (۳)

اور (حسبِ معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے قرآنِ کریم کو

مگر علومِ قرآنیہ پر کام کرنے والے محققین نے اللہ رب العزت کی آخری کتاب کے کئی اسما درج کیے ہیں۔علامہ زرکشی نے قاضی ابولمعالی عزیزی بن عبدالملک کے حوالے سے لکھا ہے:۔

اعلم ان اللہ تعالیٰ سمی القرآن بخمسۃ وخمسین اسماءً(۴)

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے القرآن کو پچپن ناموں سے پکارا ہے۔

☆ صدر شعبہ علومِ اسلامیہ، الخیر یونیورسٹی، بھمبر

قرآنی آیات سے استنباط کردہ ان پچپن ناموں کی فہرست اس طرح ہے(۵):۔

1۔ کتاب 2۔ قرآن 3۔ کلام

4۔ نور 5۔ ھدی 6۔ رحمۃ

7۔ فرقان 8۔ شفاء 9۔ موعظۃ

10۔ ذکر 11۔ کریم 12۔ علی

13۔ حکمۃ 14۔ حکیم 15۔ مھیمن

16۔ مبارک 17۔ حبل 18۔ الصراط المستقیم

19۔ القیم 20۔ فصل 21۔ نباء عظیم

22۔ احسن الحدیث 23۔ تنزیل 24۔ روح

25۔ وحی۔ 26۔ المثانی 27۔ عربی

28۔ القول 29۔ بصائر 30۔ بیان

31۔ العلم 32۔ الحق 33۔ الھادی

34۔ عجب 35۔ تذکرہ 36۔ العروۃ الوثقی

37۔ متشابہ 38۔ صدق 39۔ عدل

40۔ منادی/ایمان 41۔ امر 42۔ بشری

43۔ مجید 44۔ زبور 45۔ المبین

46۔ بشیر 47۔ نذیر 48۔ عزیز

49۔ ق 50۔ بلاغ 51۔ قصص

52۔ صحف 53۔ مکرمۃ 54۔ مرفوعۃ

55۔ مطھرۃ

جلال الدین سیوطیؒ نے اس فہرست میں درج نام ق کی بجائے شفاء الماصدور کو

ایک الگ نام شمار کیا ہے۔ اور اسی طرح ایمان کی بجائے منادی کا لفظ بطور اسمِ قرآن نقل کیا ہے۔ زرکشی اور سیوطی جیسے آئمہ فن نے نہ صرف ان اسمائے قرآنیہ کی فہرست نقل کی ہے بلکہ ان آیاتِ مقدسہ کے حوالے بھی درج کیے ہیں جن میں صراحۃً یہ اسما مذکور ہوئے ہیں۔ تاہم بعض علماء نے قرآنی آیات سے استنباط کرتے ہوئے ان اسماء کی تعداد ۹۹ تک درج کی ہے(۶)۔ آیاتِ قرآنی کی طرح احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی کئی اسماءالقرآن مذکور ہوئے ہیں۔ مثلاً حبل اللہ المتین، المرشد، المعدل، النجاۃ، الدافع، صاحب المومن، کلام الرحمٰن، الحرس من الشیطان اور الرجحان فی المیزان وغیرہ(۷)

حقیقت یہ ہے کہ اسماء کی کثرت مسمیٰ کے شرف وکمال پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ مخلوق میں شیر کے کئی نام اس کی کمالِ قوت پر دال ہیں۔ انسانِ کامل جناب نبی کریم ﷺ کے اسما کی کثرت آپ کے مراتب کی بلندی اور درجاتِ عالیہ کی ایک دلیل ہے خود خالق کائنات کے اسماء الحسنٰی اس کے کمالِ عظمت وجلال پر دلیل ہیں۔ اسی طرح اسمائے قرآن کی کثرت بھی اس کتابِ مقدس کے شرف وفضیلت پر دال ہیں۔(۸)

ان اسمائے قرآنیہ پر غور کرنے سے درجِ ذیل نکات نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں:

۱۔ قرآنِ حکیم، صفتِ الٰہی ہے۔ جیسے ذاتِ خداوندی ارفع واعلیٰ ہے ویسے ہی اس کی صفتِ کلام بھی عظمت ورفعت کا نشان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کی طرح کلام اللہ کے بھی متعدد اسما ہیں۔

۲۔ اسماءِ قرآن بھی اس کی آیات کی طرح الہامی ہیں جبکہ دیگر صحف سماویہ کی بابت ایسا دعویٰ اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی اصل زبان کا کوئی بھی نسخہ اب دستیاب نہیں جو اس کا اصلی نام بتا سکے۔ جبکہ قرآنِ حکیم کے ذاتی نام کے علاوہ صفاتی ناموں میں بھی وحی خداوندی کا مقدس حوالہ موجود ہے۔

۳۔ اسماءالقرآن، اسماءالنبی ﷺ اور اسماءالحسنٰی کے درمیان ایک لفظی ومعنوی ارتباط موجود

ہے جن میں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں باہم دگر جڑتی معلوم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر کریم، نوراور الھادی وغیرہ جیسے اسما میں اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ قرآن وحدیث سے مستنبط یہ اسماء دراصل قرآنِ حکیم کی صفات ہیں جن پر نام کا اطلاق کیا گیا کیونکہ اسم، مسمیٰ کا پتہ ہی تو بتاتا ہے۔ قرآنِ حکیم کے صفاتی ناموں میں سے ہر ایک نام کتاب اللہ کے کسی خاص وصف کو اجاگر کرتا معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ خود قرآنِ حکیم نے ان ناموں میں سے جن پانچ اسما کو اپنے لیے بطورِ اسمِ علم کے استعمال کیا ہے، ان میں: القرآن، الفرقان، الکتاب، الذکر اور التنزیل شامل ہیں۔

علامہ زرقانی کے مطابق یہ پانچ نام قرآنِ حکیم کے مشہور اسماء میں سے ہیں جن میں القرآن اور الفرقان کو زیادہ شہرت حاصل ہے (۹)۔ جبکہ بعض دیگر علماء کے نزدیک صرف تین اسماء زیادہ مشہور ہیں:۔ القرآن، الکتاب اور الفرقان مگر ان میں سے پہلے دو کی شہرت زیادہ ہے۔ (۱۰)

دکتور عبداللہ دراز نے اس حوالے سے لکھا ہے:۔

روعی فی تسمیة قرآناً کونه متلواًبالألسن ، کما روعی فی تسمیة کتاباً کونه مدوناً بالاقلام،

فکلتا التسمیتین من تسمیة شیء بالمعنی الواقع علیه (۱۱)

قرآن کا نام دینے میں زبانوں سے اس کی تلاوت شدہ ہونے کی رعایت پائی جاتی ہے جیسا کہ کتاب کے نام میں اس کا قلموں سے مدون ہونے کی رعایت شامل ہے۔

پس یہ دونوں نام کسی چیز کے ایسے نام ہیں جو فی الحقیقت معنوی طور پر واقع ہوئی ہے۔

القرآن کا لغوی مفہوم: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آخری صحیفہ ہدایت کا سب سے زیادہ مشہور نام القرآن ہے۔ جسے خود باری تعالیٰ نے اٹھاون مرتبہ القرآن (معرف بلام) اور دس مرتبہ قرآن (بغیر الف لام) اور دو مرتبہ "قـرآنـه" کا بطور مصدر ذکر کرتے ہوئے یہ نام دیا ہے (۱۲)۔ القرآن کا لفظ اسی بنا پر اپنے اندر ایک جہانِ معنی سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے

کہ کسی لفظ کے محض لغوی مفاہیم سے اس کا کامل ادراک میسر نہیں آتا مگر لغوی مفاہیم سے اغماض برتنا بھی بسا اوقات عبارت کی گرہ کشائی میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ لغوی مفاہیم کا تمام تر انحصار اس لفظ کے مادہ پر ہوتا ہے۔ ایک مادۂ اشتقاق سے جتنے بھی لفظ نکلتے ہیں ان تمام میں ان اصلی حروف کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مثال کے طور پر تعلیم، تعلم، معلم، متعلم اور معلوم سب میں ہی علم کا مفہوم پایا جاتا ہے یعنی ان تمام جہتوں میں علم کا غلبہ بہر صورت رہے گا۔

لفظ قرآن کے لغوی مفہوم کے حوالے سے علمائے کرام کی دو، رائے پائی جاتی ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے(۱۳) :۔ پہلی رائے یہ ہے کہ لفظ قرآن غیر مشتق (جامد) ہے اور غیر مہموز (بغیر ہمزہ) ہے۔ جو تورات اور انجیل کی طرح اللہ کی طرف سے سیدنا محمد ﷺ پر نازل کردہ آخری آسمانی کتاب کا ایسا اسم علم ہے جو کسی بھی دیگر لفظ یا مادے سے نہیں بنا۔ یہ رائے امام شافعیؒ، امام ابن کثیرؒ اور جلال الدین سیوطیؒ کی ہے۔ جبکہ دوسری رائے کے مطابق لفظ قرآن مشتق ہے۔ جس پر محققین علماء کی اکثریت کا اتفاق ہے جن میں امام ابوالحسن اشعری، امام فراء، امام قرطبی، زجاج، اللحیانی اور قطرب وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم لفظ قرآن کے مہموز یا غیر مہموز ہونے کے حوالے سے اس کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ اسے غیر مہموز مانتا ہے جن کی نمائندگی امام اشعری، فرّا اور قرطبی کرتے ہیں جبکہ دوسرا گروہ زجاج وغیرہ پر مشتمل ہے جو القرآن کو مہموز مانتے ہیں یعنی ہمزہ ممدودہ کے ساتھ بروزن فعلان ہے۔ زجاج کا کہنا ہے کہ جن لوگوں نے اسے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے انھوں نے بھی محض تخفیف کے لیے ہمزہ کو ترک کیا ہے۔ اس اختلافِ ہمزہ کے باوجود علماء کی اکثریت نے قرآن کے لفظ کو مشتق مانا ہے اور اس کے مختلف مادہ ہائے اشتقاق بیان کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ قَرَأَ ۲. قراۃ" ۳. قُرُء"

۴. قَرَنَ ۵. قرائن

قَرَأَ کی دلالتِ معنوی: القرآن کا پہلا اشتقاقی مادہ قَرَأَ یَقْرَأُ ہے جس کا لغوی معنی جمع کرنا ہے۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

قرات الماء فی الحوض (۱۴)

میں نے پانی کو حوض میں جمع کیا

اس معنی کی رو سے دو مفہوم بنتے ہیں:۔

۱۔ وہ جسے جمع کیا گیا۔ ۲۔ وہ جس میں سب کچھ جمع کر دیا گیا۔

پہلے مفہوم کے اعتبار سے قرآن ایک مجموع متصور ہوگا جیسا کہ ابن منظور افریقی نے اشارہ کیا ہے:۔

وسمی القرآن(قرآناً) لانه جمع القصص و الامرو النهی و الوعد والوعید و الآیات و السور بعضها الی بعض (۱۵)

القرآن کو اس لیے قرآن کہتے ہیں کہ اس نے قصص اور امر و نہی اور وعد و وعید اور آیات و سورتوں کو باہم اکٹھا کر دیا۔

اس مخصوص مجموعے کا جمع کیا جانا خود ایک الہامی امر ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَه، وَ قُرْاٰنَه (۱۶)

ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا

گویا قرآن کی جمع و تدوین اور ترتیب و تنظیم وغیرہ میں امرِ الٰہی کارفرما ہے۔ اس لیے کسی اور مجموعے کو قرآن نہیں کہا جا سکتا کیونکہ عرفِ شرع میں قرآن سے مراد صرف وہ مخصوص مجموعہ ہے جو آغاز نزول سے لے کر اپنی ترتیب و تنظیم تک امتِ مسلمہ میں بطورِ قرآن شائع ہے، امام راغب اصفہانی نے اسی تناظر میں لکھا ہے:۔

و لیس یقال ذلک لکل جمع (۱۷)

اور ایسا نام ہر مجموعہ کو نہیں دیا جا سکتا

البرهان کے مصنف نے راغب اصفہانی کے حوالے سے ہی تحریر کیا ہے:۔

لا يقال لكل جمع قرآن، ولا لجمع كل كلام قرآن و لعل

مراده بذلک فی العرف والا ستعمال لا أصل اللغة (۱۸)

ہر ایک جمع کو قرآن نہیں کہا جائے گا۔ اور نہ ہی ہر کلام کا مجموعہ قرآن کہلائے گا۔

غالباً یہاں پر عرفی مراد ہے نہ کہ لغوی استعمال۔

دوسرے مفہوم کے اعتبار سے قرآن کی جامعیت مراد ہے۔ امام راغب نے ہی کہا ہے کہ:۔

تسمية هذ ا الكتاب قرآنا بين كتب الله،

لكونه جامعا لثمرة كتبه بل لجمعه ثمرة جميع العلوم (۱۹)

اللہ کی کتابوں میں اس کتاب کا نام قرآن اس لیے ہے کہ یہ

اس کی کتب کے ثمرات کی جامع ہے بلکہ تمام علوم کے ثمرات کی جامع ہے۔

بدرالدین زرکشی نے اس حوالے سے ایک اور قول اس طرح نقل کیا ہے:۔

وقيل : لأ نه جمع انواع العلوم كلها بمعان كما قال تعالىٰ :مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ

مِنْ شَيءٍ (۲۰)

اور کہا گیا ہے کہ یہ تمام قسم کے علوم کے معارف کی جامع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ہم نے اپنی تخلیق کردہ کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کی تفصیل الکتاب (القرآن) میں نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک قول جامعیت قرآن پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے:۔

اذاارادتم العلم فاثيروا القرآن فانّ فيه خبر الاوّلين والآخرين (۲۱)

جوکوئی علم حاصل کرنا چاہے تو اسے قرآن پر غور کرنا چاہیے کیونکہ اس میں اولین وآخرین کا سارا علم

وجود ہے۔

گویا قرآن جامع بھی ہے اور مجموع بھی مگر یہ دونوں مفاہیم ہی قرأ ، کے مادہء اشتقاق کی بنا پر

القرآن کے لفظ میں صاف جھلکتے دکھائی دیتے ہیں جو کہ اس کتاب مقدس کی نمایاں خصوصیات

بھی ہیں۔

قراۃ" کی معنویت: لفظ قرآن کا دوسرا مادہ اشتقاق قراۃ" ہے جس کا معنی پڑھنا ہے امام ابو الحسن علی بن حازم اللحیانی کے نزدیک قرآن بروزنِ رجحان اور غفران قراۃ کا مصدر ہے۔اور لغت عرب میں مصدر بطورِ اسم مفعول کے بھی استعمال ہوتا ہے۔لہٰذا قرآن کا معنی (بطور اسم مفعول) مقروٗ" یعنی پڑھی ہوئی قرار پاتا ہے۔(۲۲) ہر چند کہ قراۃ کا مادہ بھی "قَرَأَ" ہی ہے جس کے معنی جمع کرنے کے علاوہ پڑھنے کے بھی ہیں۔مگر قرأ اور قراۃ میں باریک سا فرق ہے جو پیش نظر رہنا چاہیے۔ قرأ کا سیدھا مطلب جمع کرنا یا پڑھنا ہے جبکہ قراۃ کے معنی بقول راغب اصفہانی۔

القراۃ ضم الحروف و الکلمات بعضها الی بعض فی الترتیل(۲۳)

حروف اور کلمات کو باہم ملا کر ترتیل سے پڑھنا قراۃ کہلاتا۔

مگر یہ بھی کہا گیا کہ قرآن اور قراۃ دونوں ہی مترادف مصدر ہیں،جیسا کہ زرقانی نے لکھا ہے:۔

لفظ القرآن فهو فی اللغة مصدر مرادف للقراۃ(۲۴)

لغت میں لفظ قرآن،قراۃ کا مترادف مصدر ہے۔

قرآن اور قراۃ دونوں ہی اگر قرأ کے مصدر ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ان کی معنویت کو خوب واضح کر دیتا ہے جس میں انھوں نے فرمایا:۔

ان القرآن و القرأۃ واحد کا لخسران والخسارۃ واحد(۲۵)

لفظ قرآن اور قراۃ ایک ہی ہیں جیسے کہ خسران اور خسارہ ایک ہیں۔

خسران میں بھی خسارہ کا مفہوم پایا جاتا ہے مگر خسران کا فعلان کے وزن پر ہونے کی وجہ سے اس میں مبالغہ اور معنی کی کثرت پائی جاتی ہے۔یعنی بہت زیادہ نقصان ہونا۔اسی طرح قَرَأَ یَقرَأُ سے قراۃ" اور پھر اس سے قرآن کا مصدر بنتا ہے جو کہ فعلان کے وزن پر آنے سے اس میں بہت زیادہ پڑھے جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔حالانکہ قراۃ میں بھی پڑھنے کا مفہوم موجود ہے مگر لفظِ قرآن میں بھی کثرت قرأت کی معنویت جلوہ گر ہے۔جس کتاب مقدس کا نقطۂ آغاز ہی اقرأ (پڑھیے) سے ہے وہ اپنے نام میں بھی کثرت قرات کا معنی لیے ہوئے ہے۔زمانہ گواہ ہے کہ روئے زمین پر

کوئی کتاب ایسی نہیں جس کو اس سے بڑھ کر پڑھا جاتا ہو یا اس سے زیادہ اس کی تلاوت وقرأت ہوتی ہو۔ پس قرآن کا عنوان اپنے معنوی حوالوں سے آخری منزّل من اللہ کتاب پر مکمل طور پر صادق آتا ہے۔

قرء'' کی مناسبت: اصطلاح قرآن کا تیسرا مادہ اشتقاق قُرُء'' ہے۔ البرہان فی علوم القرآن کے مصنف نے بعض متاخرین کا ایک قول ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:۔

و قال بعض المتاخرين : لا يكون القرآن و قرأ مادته بمعنى جمع ، لقوله تعالى اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَه (القيامة:١٨) فغاير بينهما وانما مادتة قرأ بمعنى اظهر و بيّن ، والقارى يظهر القرآن و يخرجه والقرء:الدم لظهوره وخروجه ، والقرء: الوقت فان التوقيت لا يكون الا بما يظهر. (٢٦)

اور بعض متاخرین نے کہا کہ قرآن اور اس کا مادہ قرأ بمعنی جمع نہیں ہے اس لیے کہ بمطابق ارشادِ باری تعالیٰ:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَه. ان دونوں کے درمیان مغایرت ہے اور اس کا مادہ قرأ ہے جس کا معنی ظاہر کرنا اور واضح کرنا ہے اور قاری تو قرآن کو ظاہر کرتا ہے اور اسے (منہ سے) نکالتا ہے اسی طرح قرء کا مطلب خون کا ظہور اور اس کا نکلنا ہے۔ ایسے ہی قرء کا معنی وقت ہے۔ پس توقیت ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

امام سیوطیؒ نے قطرب کے حوالے سے ایک قول ذکر کیا ہے کہ قرآن کا نام اس لیے قرآن رکھا گیا کہ پڑھنے والا اس کو اپنے منہ سے ظاہر اور واضح کرتا ہے۔ قرآن کا لفظ اہلِ عرب کے قول ''ماقرات الناقة سلاقط'' سے ماخوذ ہے کہ اونٹنی نے کبھی بچہ نہیں دیا یعنی کبھی گابھن نہیں ہوئی اور قرآن پڑھنے والا اس کے الفاظ کو اپنے منہ میں اٹھا کر انھیں باہر نکالتا ہے اور قلبی واردات کو زبان سے ظاہر کرتا ہے (٢٧)۔ اس مناسبت کی بنا پر قرء'' سے یہاں مصدر بمعنی مفعول ہو کر قرآن کے نام سے موسوم ہوا۔ پس قرآن اس معنی کی رو سے نہایت واضح، ظاہر اور بیّن

ہے۔ جسے خود قرآنِ حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

الٓرٰ ''' تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ (۲۸)

الف۔لام۔را ، یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:۔

کِتٰبٌ '' فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۲۹)

یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں۔

یہ قرآن عربی (زبان) میں ہے یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو علم (وفہم) رکھتے ہیں۔

نہ صرف آیات قرآنی بلکہ خود اصطلاحِ قرآن میں بھی ظاہر ہونا، اجاگر ہونا، نہایت واضح اور بیّن ہونے کا مفہوم پوری طرح جلوہ گر ہے۔ گویا اسم بامسمّٰی ہونے کا شرف و امتیاز، القرآن کو مکمل طور پر حاصل ہے۔

قَرَنَ کے لغوی اطلاقات: اسم القرآن کا چوتھا مادہ اشتقاق قَـــرَنَ ہے جو ملانے اور اکٹھا کرنے کے معانی کا حامل ہے۔ بہت سے لوگ جن میں امام اشعری بھی شامل ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ قرآن. قَرَنَ سے مشتق ہے جیسا کہ : قرنت الشی با لشیءِ۔ اس حالت میں کہا جاتا ہے کہ جب ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملا دیا جائے (۳۰)۔

اس معنی کی بنا پر قرآن صفتِ مشبہ ہوگا۔ جس کی معنوی تعبیر دو طرح سے کی گئی ہے:۔

۱. قَرَنَ کی بنا پر مخصوص مجموعہ کا نام قرآن اس لیے رکھا گیا کہ اس کی سورتیں، آیات اور حروف باہم ملے ہوئے ہیں (۳۱) جیسا کہ حضرت سفیان ثوری نے کہا:۔

سمی القرآن قرآنا لأن الحروف جمعت فصارت کلمات، و الکلمات جمعت فصارت آیات، والآیات جمعت فصارت سوراً، والسور جمعت فصارت قرآناً، ثم جمع فیه علوم الاوّلین و الآخرین. (۳۲)

قرآن کو قرآن کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ حروف کو ملایا گیا تو کلمات بنے اور کلمات ملائے گئے تو

آیات بنیں، آیات ملیں تو سورتیں بن گئیں اور سورتیں باہم ملیں تو قرآن بنا پھر اس میں اولین و آخرین کے علوم اکٹھے کر دیئے گئے۔

۲۔ اور قران بھی قرن سے ہی مشتق ہے۔ جس کا معنی اکٹھا کرنا ہے۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں:۔

القِران. الجمع بين الحج والعمرة (۳۳)

حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھا کرنے کا نام قِران ہے

اِس معنٰی کی رو سے قرآن کی اصطلاح اکٹھا کرنے کا حوالہ لیے ہوئے ہے۔ یعنی قرآن وہ کتاب ہے جو لوگوں کو رنگ، نسل، زبان اور علاقہ کے اختلاف کے باوجود انھیں عقیدہ توحید و رسالت پر اکٹھا کرتی ہے۔ جس کی بنا پر ان کا کلمہ، دین اور مرکز ایک ہو جاتے ہیں۔ قرآن تمام دنیا کے انسانوں کو یہ درس دیتا ہے:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (۳۴)

اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا

یہ بھی کہا گیا کہ قرآن اور وصفِ ہدایت ایسے اکھٹے اور ملے ہوئے ہیں کہ باہم پیوستگی کی بنا پر خود قرآن کو ہی ہدایت سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ درج ذیل آیات اس کی مثال ہیں:۔

۱۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ (۳۵)

ماہِ رمضان المبارک جس میں اُتارا گیا قرآن اس حال میں کہ یہ راہِ حق دکھاتا ہے

لوگوں کو اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی۔

۲۔ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (۳۶)

یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے واسطے۔

۳۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (۳۷)

بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب راہوں سے سیدھی راہ ہے۔

یہی وجہ یہ ہے کہ علوم قرآن پر کام کرنے والے محققین نے قرآن کا نام الھادی بھی

درج کیا ہے۔اور الھدیٰ بھی (۳۸)

اَلْـقَرَائِن کے دلالات: القران کا پانچواں ماخذ القرائن ہے جو قرینہ کی جمع ہے۔لغت میں قرینہ: نشان، علامت اور دلیل کو کہتے ہیں امام سیوطیؒ نے الفراء نحوی کی بابت لکھا ہے کہ:۔

قال الفراء : هو مشتق من القرائن ، لأن الآبات منه يصدق بعضها بعضا ، و يشابه بعضها بعضا ، وهى قرائن . وعلى القولين هو بلا همزأيضاً و نونه اصلية . (۳۹)

فراء (ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء الکوفی) کے مطابق وہ (قرآن) القرائن سے مشتق ہے کیونکہ اس کی آیتوں میں سے بعض، بعض کی تصدیق کرتی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو دوسری آیتوں کے مشابہ ہوتی ہیں اور یہی قرائن (قرینے) ہیں۔ اور دونوں اقوال پر بھی وہ بلا ھمزہ ہی رہتا ہے اور اس کا نون اصلی قرار پاتا ہے۔

علامہ قرطبی نے بھی اس قول کی تائید کی ہے جس کو زرکشی نے یوں نقل کیا ہے:۔

قال القر طبى : القر آن بغير همزماخوذ من القرائن، لأن الآيات منه يصدق بعضهابعضا ويشابه بعضها بغصاً ، فهى حينئذ قرائن (۴۰)

قرطبی نے کہا: القران بغیر ھمزہ کے قرائن سے ماخوذ ہے۔اس لیے کہ اس کی آیات میں سے بعض، بعض کی تصدیق کرتی ہیں اور اس کی کچھ آیات دوسری آیات کے مشابہ ہیں۔پس انھی کا نام قرائن ہے۔

گویا داخلی طور پر تمام قرائن قرآنِ حکیم کی صداقت کی واضح دلیل پیش کرتے ہیں۔اس لیے کہ اس کی ہر آیت دوسری آیت کے نہ صرف مدعا و مفہوم کی صحت کا قرینہ لیے ہوئے ہے بلکہ اس کے نظم اور اسلوب کلام میں بھی حقانیت وصداقت کے قرینے بھرے پڑے ہیں۔جس کی وجہ سے اختلاف و تناقض کا گمان تک قریب نہیں پھٹک سکتا۔کیونکہ اس کی ہر آیت دوسری آیت کی موئید اور ہر نکتہ دوسرے کا مصدق ہے۔الغرض قرآن حکیم ہر قسم کے اختلاف و تناقص سے مبرّا ہے ارشاد ربانی ہے:۔

اَفَلا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (۴۱)

تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر۔

اس کی حقانیت کے لیے صرف ایک یہی قرینہ کافی ہے کہ یہ کلام، منزل من اللہ ہے۔ اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا ہے تو اس میں اختلافات و تضادات کی کثرت نظر آتی، جب کہ القرآن تمام قسم کے تضادات سے صاف اور مبرا ہے۔

ترجیح وجہ تسمیہ: قرآنیات پر کام کرنے والے محققین نے اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کردہ آخری کتاب کا نام القرآن قرار پانے کی کئی وجوہ تسمیہ ذکر کی ہیں جن میں جمع کرنا، مجموع، جامع، خلاصہ، ظاہر اور اجاگر کیا جانا، واضح اور بیّن، ملا ہوا ہونا، اکٹھا کیا گیا، دلائل سے لبریز، تضادات سے مبرا ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ مگر ان وجوہِ تسمیہ پر غور کرنے کے لیے اگر قرآنِ حکیم کی ترتیبِ نزولی کو پیش نظر رکھا جائے تو تفہیم میں آسانی ہو جاتی ہے۔ آغازِ نزول میں سب سے پہلے **سورۃ العلق** کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں، پھر **ن والقلم و مایسطرون**، پھر **سورۃ المزمل** اور پھر **سورۃ المدثر** نازل ہوئی۔ جیسا کہ الماوردی اور ابو القاسم نیشاپوری نے اپنی تفاسیر میں اس ترتیب کو نقل کیا ہے (۴۲)۔ یعنی **سورۃ المزمل** ترتیب نزولی کے اعتبار سے قرآنِ حکیم کی تیسری سورۃ ہے۔ یہ وہ سورت ہے جس میں پہلی دفعہ "القران" کا نام مذکور ہے:۔

۱۔ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا (۴۳)

اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے قرآنِ کریم کو

۲۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (۴۴)

پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو۔

اس ابتدائی مرحلۂ نزول تک جس قدر آیات نازل ہو چکی تھیں ان میں محققین کی بیان

کردہ مذکورہ وجوہِ تسمیہ قرآن کو تلاش کرنے میں دور کی کوڑی لانی پڑتی ہے۔ حالانکہ قرآن کا جتنا حصہ اس وقت تک نازل ہو چکا تھا یا ہو رہا تھا اسے خود آیتِ مقدسہ میں القرآن سے موسوم کیا گیا۔ جس سے یہ بات بآسانی سمجھ آجاتی ہے کہ ان وجوہِ تسمیہ اور اسم القرآن میں حقیقی ارتباطِ معنوی قائم نہیں ہو رہا۔ اسی لیے شیخ عبدالعظیم الزرقانی نقد کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

أما القول بأنه وصف من القرء بمعنى الجمع أوأنه مشتق من القرائن أوأنه مشتق من قرنت الشئ ء بالشي ءِ أوأنه مرتجل: أى موضوع من أول الامر علما على الكلام المعجز المنزل غير مهموز ولا مجرد من أل فكل اولئک لا يظهر له وجه وجيه ولا يخلو توجيه بعضه من كلفة ولا من بعد عن قواعد الاشتقاق وموارد اللغة (۴۵)

رہی یہ بات کہ (القرآن) القراء سے موصوف ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں یا وہ القرآئن سے مشتق ہے یا وہ قرنت الشیٔ بالشیٔ (ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ ملا دی گئی) سے مشتق ہے یا پھر (فی البدیہۃ) ہے یعنی اس کے لیے پہلی بار بنا۔ یہ (اسم) منزل معجز کلام کا اسم علم بغیر ھمزہ کے ہے اور أل سے خالی نہیں۔ پس اس طرح کی تمام باتوں کی کوئی خاص توجیہ نہیں اور کچھ کی توجیہ تو تکلف سے خالی نہیں اور نہ ہی یہ اشتقاق کے قاعدوں اور لغوی ذرائع کی دوری سے خالی ہیں۔

سورۃ المزمل میں القرآن کا نام دو مرتبہ مذکور ہوا ہے۔ ایک مقام پر ترتیل وقرأت اور دوسرے مقام پر پڑھنے کا مفہوم مراد لیا گیا ہے۔ گویا "القران" کے دیگر تمام لغوی معانی سے پہلے اس میں تلاوت وقرات کا معنی و مدعا شامل ہے۔ علاوہ ازیں اس کتابِ مقدس نے نہ صرف خود اپنا نام "القرآن" بتایا ہے بلکہ ہزار مخالفتوں کے باوجود کفارِ عرب بھی اسے القرآن ہی سے موسوم کرتے رہے۔ کفارِ عرب کے رویے کی تردید میں قرآنِ حکیم نے حکایتاً بیان کیا ہے:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (۴۶)

اور کہنے لگے وہ کافر مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور وغل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید

تم (اس طرح) غالب آجاؤ۔

کتاب مقدس کی تلاوت وقرأت کے وقت کفار کا شور مچا کر نہ سننے سے غلبۂ کفر کی ناکام کوشش کرنے میں جہاں ان کا قرآن کی بابت رویہ سامنے آتا ہے وہاں وہ اس کتاب مقدس کو جس نام (القرآن) سے پکارتے تھے وہ بھی نمایاں ہورہا ہے۔ یعنی کفار عرب بھی اس کتابِ مقدس کو یہی نام (القرآن) دیتے رہے جو خود اس نے اپنے لیے تجویز کر رکھا ہے۔ القرآن جسے پڑھی گئی آیات سے تعبیر کیا گیا اپنے آغازِ نزول سے لے کر تا قیامِ قیامت پڑھی جاتی رہے گی جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ پڑھی آتی چلی آرہی ہے۔ تلاوتِ قرآن کا یہ سلسلہ کچھ اِس اہتمام کے ساتھ جاری وساری ہوا کہ دنیا میں پڑھی جانے والی کوئی بھی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس لیے کہ یہ وہ واحد کتاب ہے جس کی دنیا میں ہر وقت تلاوت ہورہی ہے۔ کیونکہ پانچ نمازوں کے اوقات مسلسل روئے زمین کے گرد گھوم رہے ہیں اور مسلمان ہر نماز میں اس کی تلاوت کررہے ہیں۔ اس مسلسل عمل میں کوئی انقطاع نہیں۔ لہٰذا اسی تسلسل اور تواتر کے ساتھ پڑھے جانے کی بناپر بھی اسے "القرآن" سے تعبیر کیا جانا قرینِ صواب لگتا ہے۔ پس اس مفہوم میں بھی کسی اور کتاب کو "القرآن" کا عنوان نہیں دیا جاسکتا۔

الغرض آغازِ نزول میں بھی "القرآن" کے تسمیہ پر تلاوت وقرأت کے معنٰی کا غلبہ ہے، کفار نے بھی مقروؑ" کے معنٰی میں ہی اسے لیا ہے اور تاریخی وزمانی تسلسل میں بھی تلاوت قرأت کا مفہوم ہی اس کتابِ مقدس کی عملی تعبیر کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ہرچند کہ اس کے علاوہ دیگر تمام لغوی مفاہیم خود بخود سمٹ کر کتاب اللہ کے وجوہِ تسمیہ میں اضافہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ مگر اس کے ذاتی نام "القرآن" میں اقرأ کی پہلی وحی کی بازگشت گونج رہی ہے۔ واللہ اعلم باالصواب .

حوالہ جات

۱۔ القرآن۔ سورۃ الرحمٰن: ۱،۲

۲۔ القرآن۔سورۃ الواقعہ:۷۷
۳۔ القرآن۔سورۃ المزمل:۴
۴۔ الزرکشی۔محمد بن عبداللہ:البرھان فی علوم القرآن،دارالحدیث۔القاھرۃ،۲۰۰۶م،ص:۱۹۲
۵۔ ایضاً،ص:۱۹۲۔۱۹۴
۶۔ الزرقانی۔محمد عبدالعظیم: مناہل العرفان فی علوم القرآن،دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۱۹۹۵م،ج،۱،
ص:۱۷
۷۔ الفیروزآبادی۔محمد بن یعقوب:بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز،القاھرۃ،۱۹۹۶م،ج:
۱،ص:۹۴،۹۵
۸۔ ایضاً، ج: ۱ ، ص:۸۸
۹۔ مناھل العرفان فی علوم القرآن،ج:۱،ص:۱۷
۱۰۔ ابراہیم النعمۃ:علوم القرآن،مکتبہ الوقفیہ،انٹرنیت،۲۰۰۸م،ص:۹۰
۱۱۔ الدکتور محمد عبداللہ دراز:النباء العظیم،دارالثقافۃ۔الدوحۃ۔قطر۔۱۹۸۵م،ص:۱۳
۱۲۔ سعیدی۔غلام رسول:تبیان القرآن،فرید بکسٹال۔لاہور،۲۰۰۵ء،ج:۱۔ص:۴۹
۱۳۔ السیوطی۔جلال الدین:الاتقان فی علوم القرآن،موسسۃ الرسالۃ ناشرون،۲۰۰۸م،
ص:۱۱۶
۱۴۔ ایضاً،ص:۱۱۶
۱۵۔ ابن منظور افریقی:لسان العرب،مکتبہ الوقفیۃ۔انٹرنیت،۱۹۸۱م،ج:۵،ص:۳۵۶۳
۱۶۔ القرآن۔سورۃ القیامۃ:۱۷
۱۷۔ راغب الاصفہانی۔ابوالقاسم الحسین بن محمد:المفردات فی غریب القرآن،دارالمعرفۃ۔
بیروت۔لبنان،س ن،تحت مادہ،قرأ،ص:۴۰۲
۱۸۔ البرھان فی علوم القرآن،ص:۱۹۴
۱۹۔ المفردات فی غریب القرآن،ص۴۰۲
۲۰۔ البرھان فی علوم القرآن،ص:۱۹۵
۲۱۔ الھروی۔ابوعبیدالقاسم بن سلام: فضائل القرآن،دارابن کثیر۔دمشق،س ن،ص:۹۶
۲۲۔ الاتقان فی علوم القرآن،ص:۱۱۶

۲۳۔ المفردات فی غریب القرآن،ص:۴۰۲
۲۴۔ مناھل العرفان،ج:۱،ص:۱۶
۲۵۔ الرازی۔فخر الدین:التفسیر الکبیر(مفاتیح الغیب)،دار الفکر،۱۹۸۱م،ج:۲،ص،۱۶
۲۶۔ البرھان فی علوم القرآن،ص:۱۹۵
۲۷۔ الاتقان فی علوم القرآن،ص:۱۱۶
۲۸۔ القرآن۔سورۃ یوسف:۱
۲۹۔ القرآن۔سورۃ حم السجدۃ:۳
۳۰۔ الاتقان فی علوم القرآن،ص:۱۱۶
۳۱۔ البرھان فی علوم القرآن،ص:۱۹۵
۳۲۔ التفسیر الکبیر،ج:۲،ص:۱۶
۳۳۔ المفردات فی غریب القرآن،ص:۴۰۱
۳۴۔ القرآن۔سورۃ آل عمران:۱۰۳
۳۵۔ القرآن۔سورۃ البقرۃ:۱۸۵
۳۶۔ القرآن۔سورۃ آل عمران:۱۳۸
۳۷۔ القرآن۔سورۃ الاسرآئیل:۹
۳۸۔ البرھان فی علوم القرآن،ص:۱۹۲،۱۹۳
۳۹۔ الاتقان فی علوم القرآن،ص:۱۱۶
۴۰۔ البرھان فی علوم القرآن،ص:۱۹۵
۴۱۔ القرآن۔سورۃ النساء:۸۲
۴۲۔ بصائر ذوی التمییز،ج:۱،ص:۹۷،۹۸
۴۳۔ القرآن۔سورۃ المزمل:۴
۴۴۔ القرآن۔سورۃ المزمل:۲۰
۴۵۔ مناھل العرفان،ج:۱،ص:۱۶،۱۷
۴۶۔ القرآن۔سورۃ حم السجدہ:۲۶

☆☆☆

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے حضرت حسن بصریؒ تک

مولوی محمد رمضان معینی ☆

۱. الھی بحرمت سید الکونین رسول الثقلین حضرت خواجہ محمدن المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم ہ

حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کنیت ابوالقاسم وابوالابراہیم ہے۔آپ کا نام پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بصیغہ مبالغہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔اور لقب پاک مجتبیٰ و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔آپ کے والد ماجد کا نام پاک حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب (حکیم) بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر (ان کا لقب قریش ہے) بن نصر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔حضور کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی والدہ محترمہ کا نام پاک حضرت بی بی سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بن وھب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہے۔

حدیث نبوی ﷺ: اللہ تبارک تعالیٰ عزوجل نے اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا۔کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا۔اور قریش سے بنو ہاشم کو اور مجھے بنو ہاشم سے منتخب فرمایا۔سو میں بہترین کے بہترین سے ہوں۔حضور کریم علیہ الصلوۃ السلام کی ولادت ماہ ربیع الاول کی ۱۲ صبحِ صادق کے وقت خیر البلاد مکتہ المکرمہ میں ہوئی۔آپ کے نور سے تمام عالم تاباں ہوا۔فارس کا آتشکدہ سرد ہوا اور بے شمار معجزات وقوع پذیر ہوئے۔آپ کو والدہ ماجدہؓ نے تین روز اپنا دودھ مقدس پلایا۔پھر حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے پلایا۔ان کے بعد حضرت بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اس دولت وسعادت سے بہرہ ور ہوئیں۔اور آپ کو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے اپنی گود میں کھلایا۔مشہور قول یہی ہے کہ آپ کے والد ماجد آپ کی پیدائش سے چند ماہ پیشتر وصال فرما گئے۔آپ کے بچپن میں والدہ ماجدہ وصال فرما گئیں اور ساتھ ہی کچھ عرصہ بعد شفیق دادا

مشفق دادا بھی داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کے دادا نے وقتِ وصال سے پہلے حضرت ابی طالب کی کفالت میں آپ کو دے دیا۔ ابی طالب آپ کو ہر کام میں مقدم رکھتے۔ پچیس سال کی عمر میں آپ کا نکاح حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ اُن کی عمر مبارک ۴۰ سال تھی حضرت سیدنا جبرائیل علیہ السلام آپ کی خدمتِ اقدس میں پہلی وحی سورۃ اقراء کی آیات مبارکہ غارِ حرا میں لے کر اترے، جبکہ آپ مصروفِ عبادت تھے۔ اللہ کریم نے تیس سال کے مبارک عرصہ میں پورا قرآن مجید آپ کے پاس بھیجا۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ میں حدیثِ مبارکہ ہے آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت بھی خاتم النبین تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا اور فرمایا میں اپنے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے خواب کا مظہر ہوں آپ نے قریش مکہ کو جب دعوتِ اسلام دی تو تیرہ سال مسلسل دعوتِ تبلیغ اسلام فرماتے رہے۔ میں ﷲ کریم کے حکم سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ اور وہاں پر مستقل اقامت اختیار فرمائی۔ مدینہ شریف میں آپ نے دس سال مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ اس کے بعد ہجرت کے گیارہویں سال میں روز دوشنبہ بوقت چاشت تریسٹھ سال کی عمر مبارک میں وصال فرمایا حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں آپ آرام فرما ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات:

1۔ حضرت سیدہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔

2۔ حضرت شیدہ بی بی سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۔

3۔ حضرت سیدہ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

4۔ حضرت سیدہ بی بی حفصہ بنت سیدنا عمر رضی اللہ عنہا۔

5۔ حضرت سیدہ بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا۔

6۔ حضرت سیدہ بی بی ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا۔

7۔ حضرت سیدہ بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔

8۔ حضرت سیدہ بی بی جویریہ رضی اللہ عنہا۔

9۔ حضرت سیدہ بی بی صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا۔

10۔ حضرت بی بی ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا۔

11۔ حضرت بی بی میمونہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا۔

12۔ حضرت بی بی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت سیدہ ام المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس سے چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

1۔ حضرت سیدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا۔ متوفیہ ۸ھ

2۔ حضرت سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا۔

۔ حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ متوفیہ ۹ھ

4۔ حضرت سیدہ بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا۔ متوفیہ ۱۱ھ

بیٹوں میں حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کا لقب طیب اور طاہر تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے عظام بحکم شریعت اور بترتیب خاص تھے۔

1۔ افضل البشر بعد از انبیاء حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

2۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

3۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔

4۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

ارشادات:

۱۔ کسی مرد کے اسلام کی عمدگی یہ ہے کہ تمام لغویات ترک کردے۔

۲۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

۳۔ دین سراپا بھلائی کا نام ہے۔

۴۔ کلام مصائب کا باعث ہوتا ہے۔

۵۔ مجالس کی گفتگو امانت ہوتی ہے۔ جس آدمی سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہے۔

۶۔ فضیلتِ علم فضیلتِ عبادت سے بہتر ہے۔

۷۔ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوگی۔

۸۔ فاجر، وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کی اتباع کرے اور اللہ کریم سے امید رکھے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ تمھاری گرفت نہ کرے اور تمہیں اس میں مبتلا نہ کرے۔

۴. الھی بحرمته مدینه العلوم والمطالب و امام المشارق والمغارب امیر المومنین و امام الاشجعین حضرت علی ابن ابی طالب رضی الله عنه ہ

آپ حضور کریم ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ کی پیدائش بیت اللہ میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ نو سال کی عمر میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ ایمان لائے۔ آپ کا دامن بھی بتوں کی پوجا سے پاک تھا۔ آپ نے پرورش بھی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پائی۔ سوائے غزوۂ تبوک کے تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ حضرت سیدہ بی بی فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا عقد مبارک ہوا۔ آپ کی اولاد حسب ذیل ہے۔

۱۔ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا۔

۲۔ حضرت بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔

۳۔ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا۔

۴۔ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ۔

۵۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ۔

۶۔ حضرت سیدنا محسن رضی اللہ عنہ۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں آپ شامل تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد آپ خلفا ثلاثہ کے مشیر خاص رہے۔ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ (۳۵ھ) کے بعد آپ کو بالاتفاق خلیفہ مقرر کیا گیا۔ آپ کی خلافت کی مدت چار سال نو ماہ تھی۔ بوقتِ شہادت آپ کی عمر مبارک کے بارے میں پانچ روایات ملتی ہیں۔ یعنی ۵۷۔ ۵۸۔ ۶۳۔ ۶۵۔ ۷۲۔ آپ ۱۹ / رمضان المبارک ۴۰ھ کو زخمی ہوئے ۲۱ ماہِ مذکور میں وصال فرمایا، تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ: بوقتِ شہادت عمر مبارک ۶۳ سال تھی (تاریخ طبری اردو، جلد سوم، حصہ دوم، ص ۱۷۷)۔

مفتی غلام سرور قادری تحریر کرتے ہیں کہ:

تاریخ وفات حضرت شاہِ ولایت

مرتضٰی شاہِ علی مظہرِ انوار جلی
خانہ دینِ نبی یافت ازو آبادی
زاہدِ پاک چو تاریخ وصالش جستم
از خرد باد ندا گشت کہ ہادی ہادی

۴۰ھ

(خزینۃ الاصفیاء، فارسی، جلد اول، ص ۲۵)

حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت امام حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مزارِ پُر انوار ملک عراق کے شہر نجف اشرف میں ہے۔

وصیت: آپ نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو بلوایا اور ان سے فرمایا: میں تم دونوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تم دونوں دنیا کو ہرگز تلاش نہ کرنا خواہ دنیا تم سے بغاوت کیوں نہ کرے اور جو چیز تم سے ہٹا دی جائے اس پر رونا نہیں، ہمیشہ حق بات کہنا۔ یتیموں پر رحم کرنا۔ پریشان کی مدد کرنا۔ آخرت کی تیاری میں مصروف رہنا۔ ہمیشہ ظالم کے دشمن اور مظلوم کے حامی رہنا اور کتاب اللہ کے احکامات پر عمل کرنا۔ اللہ کے دین میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ گھبرانا۔

دورِ خلافت میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کوئی نیا کپڑا زیبِ تن نہ فرمایا۔ اسرافِ بے جا سے اجتناب کا یہ عالم کہ موٹے سے موٹا کپڑا اور سستے سے سستا بھی آپ نے ضرورت سے زائد نہ خریدا۔ لوگ آپ کو خیر العباد یعنی ممتاز ترین شخصیت سمجھ کر یاد کرتے تھے۔ آپ کے فضائل میں متعدد احادیثِ مبارکہ مروی ہیں۔

حدیث پاک:۱ عن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی ط متفق علیہ ہ

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی (رضی اللہ عنہ) تم مجھ سے اس درجہ میں ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔ سوائے اس کے میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' (متفق علیہ)

حدیث پاک:۔۲ عن ام سلمۃ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحب علیا منافق ولا لیبغضہ مومن ط (رواہ احمد و ترمذی)

''حضرت سیدہ بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی (رضی اللہ تعالی عنہ) سے منافق محبت نہیں کرتا اور ان سے مومن بغض نہیں رکھتا۔ (اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا)''

حدیث پاک: ۳ عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ (رواہ احمد و ترمذی)

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا میں دوست ہوں۔ پس علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دوست ہے''۔ (اس حدیثِ مبارکہ کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا)

حدیث پاک: ۔۴ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا مدینہ العلم ابو بکر اساسھا و عمر حیتانھا و عثمان سقفیھا و علی بابھا. (بھیقی شریف)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں علم کا شہر ہوں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی بنیاد ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کی دیواریں ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کی چھت ہیں اور حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ اس کا دروازہ'' (بھیقی شریف)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بی بی فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد آٹھ نکاح کیے۔ حضرت مولا علی المرتضیٰؓ کے چودہ صاحبزادے تھے اور سترہ صاحبزادیاں تھیں۔ آپ کی نسلِ پاک کا سلسلہ آپ کے پانچ صاحبزادوں سے چلا ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ۲۔ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت محمد حنفیہؓ ۴۔ حضرت عمرؓ

۵۔ حضرت ابوالفضل عباسؓ (تاریخ طبری (اردو) جلد سوم، ص ۲۷۷)، آپ سے صرف چار افراد کو خرقہ خلافت ملا۔

۱۔ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت کمیل بن زیاد رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت سیدنا خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ

ارشادات:

۱۔ جب تم سے کوئی نیکی ہو تو اسے اللہ کریم کی دین سمجھو، اگر برائی سرزد ہو جائے تو استغفار کرو۔

۲۔ دنیا حقائق اور صداقتوں کا گھر ہے، لیکن صرف اس شخص کے لیے جو اس کی دریافت اور تصدیق پر قادر ہو، یا اس شخص کے لیے بہتان کی جگہ ہے جو اس سے کم سے کم حصول کا خواہش مند ہو۔

۳۔ جاہلوں کی صحبت مت اختیار کر! ان سے بچ، بہت سے جاہلوں نے اس دانشمند کو تباہ کر دیا جس نے ان سے دوستی کی۔

۴۔ سب سے بڑی تونگری عقل و دانائی ہے۔

۵۔ حماقت سے زیادہ کوئی مفلسی اور تنگدستی نہیں۔

۶۔ غرور و تکبر سب سے سخت وحشت ہے اور سب سے عظیم خُلق کرم ہے۔

۷۔ احمق کی صحبت سے بچو کیونکہ وہ تم کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن پہنچ جاتا ہے ضرر۔

۸۔ جھوٹے سے پرہیز کرو، کیونکہ وہ بعید کو قریب اور قریب کو بعید کر دیتا ہے۔

۹۔ بخیل سے اعراض کرو، کیونکہ وہ تم سے ان چیزوں کو چھڑا دے گا، جن کی تم کو احتیاج ہے۔

۱۰۔ فاجر سے کنارہ کش رہو کیونکہ وہ تم کو تھوڑی سی چیز کے بدلے فروخت کر ڈالے گا۔

۱۱۔ زیادہ ہوشیاری دراصل بدگمانی ہے۔

۱۲۔ ''محبت'' دور کے لوگوں کو قریب، ''عداوت'' قریب کے لوگوں کو دور کر دیتی ہے۔

۱۳۔ کسی چیز سے خوفزدہ نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ ہی سے امیدیں اور آرزوئیں وابستہ رکھو۔

۱۴۔ کسی چیز کے سیکھنے میں شرم نہ کرو۔

۱۵۔ تم ابنائے دنیا نہ بنو، بلکہ دنیا میں زہد و تقویٰ اختیار کر کے آخرت کے طالب خیر بنو۔

۱۶۔ جولوگ جنت کی تمنار کھتے ہیں وہ شہوات سے دور رہتے ہیں اور جولوگ آتش دوزخ سے بچنا چاہتے ہیں وہ محرمات سے گریز کرتے ہیں، تم بھی ایسا کرو۔

۳۔ الٰھی بحرمتِ شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی النصر الحسن البصری الانصاری رضی اللہ عنہ

نام ونسب: حسن نام، ابوسعید ابومحمد کنیت (مراۃ الاسرار، ص ۲۲۹)، والد کا نام یسار تھا (طبقات ابنِ سعد حصہ ہفتم، ص ۱۷۱، ناشر، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع چہارم، اپریل ۱۹۸۷ء مولف محمد ابنِ سعد، م ۲۳۰ھ، مترجم: مولانا راغب رحمانی) سیر الاقطاب (ص ۲۶) میں لکھا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں میں سے تھیں اور والد ماجد حضرت موسیٰ راعی ابن خواجہ اویس قرنی ؓ تھے () مراۃ الاسرار (سالِ تالیف ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ) میں لکھا ہے: ''روضۃ الاحباب'' کی آخری جلد میں مرقوم ہے کہ آپ کے والد ماجد ہجرت کے بارھویں سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے (مراۃ الاسرار، مترجم کپتان واحد بخش سیال، ناشر، بزمِ اتحاد المسلمین، لاہور، رجب المرجب ۱۴۱۲ھ، ص ۲۳۰) اقتباس الانوار (سالِ تالیف ۱۱۳۰ھ) میں مرقوم ہے کہ: روضۃ الاحباب کی عبارت ہے۔ حضرت امام حسن بصری کے والد ہجرت کے بارھویں سال حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے، ''طبقاتِ حسامیہ'' کی روایت کے مطابق وہ حضرت ثابت انصاری کے غلام تھے ان کا نام یسار تھا اور ''سیر الاقطاب'' کی روایت کے مطابق وہ موسیٰ راعی کے بیٹے تھے جو حضرت اویس قرنیؓ کے بیٹے تھے (اقتباس الانوار، مولف محمد اکرم براسوی [م ۱۱۵۱ھ] مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص ۲۱۸، ۲۱۹، ناشر، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت محرم الحرام ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء) اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں تحریر ہے کہ: ابوسعید بن ابی الحسن یسار البصری (۲۱ھ/ ۶۴۲ء تا ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء) اموی عہد میں بصرے کے مشہور واعظ اور صوفی تابعین میں سے تھے۔ ان کے والد جن کا اصل نام پیروز تھا، عراق میں میسان کی فتح کے موقع پر اسیر ہو گئے

اور کہا جاتا ہے کہ انھیں مدینے لایا گیا، جہاں ان کی مالکہ نے انھیں آزاد (عتق) کر دیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸، اشاعت ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، ص ۲۶۲)

سنہ ولادت: حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ آپ حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے یعنی ۲۱ھ میں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں۔ آپ پیدا ہوئے تو ام المومنین نے "گھٹی" اور نام رکھنے کے لیے امیر المومنین کی خدمت میں بھیجا۔ تو امیر المومنین نے آپ کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ حسن ہے۔ اس کا نام حسن رکھو۔ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ آپ کو دیکھ کر یہ دعا فرماتیں۔ اے پروردگارِ عالم! اِس کو خلق کا پیشوا بنا، آپ امہات المومنین کے گھر بھی جاتے تھے (طبقاتِ ابن سعد حصہ ہفتم، ص ۱۷۶) آپ کے چھوٹے بھائی کا نام سعید تھا جو آپ کی زندگی میں وفات پا گئے تھے (طبقاتِ ابن سعد، ص ۱۹۴، ۱۹۵)

اساتذہ: آپ نے ایک سو تیس صحابہ کرام سے استفادہ کیا۔ ان میں ستر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بدری تھے حضرت عثمان غنی ؓ کے عہدِ خلافت میں ان کی عمر مبارک چودہ سال تھی (طبقاتِ ابن سعد، حصہ ہفتم، ص ۱۷۲) حضرت عثمان غنیؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت انس بن مالکؓ حضرت جابر بن معاویہؓ حضرت عقل بن یسارؓ، حضرت ابی بکرہؓ، حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت جندب بجلیؓ سے براہ راست استفادہ کیا تھا۔

مولا علیؑ کی نصیحت: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرید تھے اور خرقۂ خلافت بھی مولا علی رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔ ایک دن آپ نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا۔ یا امیر المومنین آپ مجھے وصیت فرمائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اپنے اہل و عیال کا فکر مت کیا کرو۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں تو اللہ کریم اپنے دوستوں کو ضائع نہیں فرماتا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں تو اللہ کے دشمنوں کے لیے غم اور فکر کرنے کی کوئی

ضرورت نہیں۔'' آپ ریاضت ومجاہدہ میں بلیغ کوشش کرتے اور فرماتے اگر میں سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی متابعت نہ کروں۔ تو میں ان میں سے کیسے ہو سکتا ہوں۔ نیز جو خرقہ میں نے ان کا پہنا ہے تو مجھ پر ان کی پیروی بھی فرض ہے۔

لباس: آپ بائیں ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے (طبقات ابن سعد، حصہ ہفتم، ص ۱۷۵) داڑھی زرد کرلیا کرتے تھے (۱۷۵) بعض لوگوں کی طرح حسن اپنی ساری مونچھیں صاف نہیں کیا کرتے تھے (طبقات ابن سعد، ص ۱۷۵) پگڑی سیاہ باندھتے تھے (طبقات ابن سعد، ص ۱۷۶)

مرض وصال: جب آپ مرض الوصال میں تھے تو دورانِ علالت فرماتے: کاش انسان نے اپنی صحت وتندرستی کے زمانہ میں بیماری کے دن کے لیے کچھ رکھ چھوڑا ہوتا، آخر وقت میں اپنے فرزندِ دل بند کو اپنی کتابیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی، بعد میں خادم کو تنور میں آگ جلانے کا حکم دیا۔ اس نے تنور جلایا اور چشم زدن میں علوم وفنون کا سارا خزانہ جل کر خاکستر ہو گیا صرف ایک کتاب رہنے دی۔ آخری وقت فرمایا حسن اس کی شہادت دیتا ہے کہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' جس نے موت کے وقت صدقِ دل سے اس کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہو گا (طبقات ابن سعد، جلد نمبر ۷) شب جمعہ ۱۱۰ھ کو سفرِ آخرت کی طرف روانہ ہوئے۔ محدث ایوب اور حمید الطویل نے غسل دیا (طبقاتِ ابن سعد، جلد ۷)، جمعہ کے دن جنازہ ہوا۔ بستی زبیر میں نماز جنازہ ہوئی۔ تذکرہ نویس تحریر کرتے ہیں کہ ساری خلقت جنازہ میں شامل ہوگئی۔ اس دن بصرہ کی جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے والا کوئی نہیں تھا (ابنِ خلقان، جلد اول)

وصال پر ملال: سیر الاقطاب [اردو ترجمہ، تذکرہ خواجگان چشت، مترجم پروفیسر محمد معین الدین دردائی، ناشر نفیس اکیڈمی، کراچی، نومبر ۱۹۷۹ء، ص ۳۶] میں لکھا ہے کہ: حضرت خواجہ حسن بصری کا وصال ۴ محرم الحرام ۱۱۱ھ کو ہوا۔ آپ کی تاریخ رحلت قطب [ق۔۱۰۰، ط، ۹، ب، ۲] سے نکلتی ہے آپ کا روضہ مقدسہ بصرہ سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ ''مراۃ الاسرار'' میں

تحریر ہے کہ ''منتخب التاریخ'' میں لکھا ہے کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں یکم ماہ رجب ۱۱۰ھ کو ابو سعید حسن بصری نے بصرہ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر نواسی [۸۹] سال تھی (مراۃ الاسرار، اردو، ص ۲۳۳)

سید اشرف جہانگیر سمانی چشتی نظامی اپنے مکتوب میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا وصال ۱۱۰ھ میں ہوا:

قطعہ

حسن بصری بیخ اشجارِ دین
کہ در چار باغش بود رہِ رحمٰن
چو از کانِ او جوہر جان شدہ
بجو گوہر سال فوتش سن

ترجمہ:

حسن بصری اشجارِ دین کے بیج ہیں کہ ان کے چار باغ میں رحمٰن کا راستہ ہے۔ جب ان کی کان سے جوہر جان ہوا۔ تو ان کی وفات کی تاریخ لفظ سن سے نکلی (س ۶۰۔ن ۔۵۰۔۱۱۰)
(مکتوبات اشرفی، جلد دوم، ص ۳۳۷، ناشر، دارالعلوم اشرفیہ رضویہ، کراچی، سن طباعت ۲۰۰۰ء)

''طبقات ابن سعد'' میں تحریر ہے کہ حسن جمعہ کی شب کو فوت ہوئے۔ آپ کو ایوب اور حمید طویل نے غسل دیا اور آپ کا جنازہ نمازِ جمعہ کے بعد لایا گیا۔ (طبقاتِ ابن سعد، ص ۱۹۳) حسن کی وفات ۱۱۰ھ رجب میں ہوئی (طبقات ابن سعد، اردو، ص ۱۹۳) تاریخ ابنِ کثیر حصہ نہم میں لکھا ہے کہ: حسنؒ جب اٹھاسی سال کے ہو گئے تو ۱۱۰ھ میں ان کا وصال ہو گیا یہ رجب کا مہینہ تھا ان کے اور ابنِ سیرین کے یومِ وفات میں ایک سو دس دن کا فرق ہے (البدایہ والنہایہ، حصہ نہم، ص ۳۲۳)

اولاد امجاد: فرزندان، حضرت سعید، حضرت محمد، حضرت نصر اور حضرت عبداللہ۔ انھی عبداللہ کے بارے میں طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ: عبداللہ بن حسن سے ان کے والد کی

کتابیں منگوائیں (طبقات ابن سعد، حصہ ہفتم، ص۱۹۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے مطابق آپ کی ایک دختر بھی تھی۔

جو لوگ مال و دولت جمع کرتے انھیں وہ (حسن بصریؒ) شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے ایک شخص کو جو، اُن کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اپنی دولت مندی کی وجہ سے مشہور تھا۔ محض اس کی دولت کی وجہ سے رد کر دیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸، ص۲۶۲) طبقات ابن سعد میں حضرت امام ابنِ سیرین (م ۹ رشوال ۱۱۰ھ) کے حالات میں تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی دختر ان کی زندگی میں وفات پا گئی: حسن کی ایک بچی فوت ہو گئی آپ چھپے ہوئے تھے میں نے آپ کے پاس جا کر خبر دی تو فرمایا ایسا ایسا کرو مجھے امید ہوئی کہ آپ مجھے نمازِ جنازہ پڑھانے کا حکم فرمائیں گے آخر کار آپ نے فرمایا پھر جب جنازہ لاؤ تو ابن سیرین سے کہو نماز پڑھائیں (طبقات ابن سعد، حصہ ہفتم اردو، ص۲۲۱)

تلامذہ: آپ کے تلامذہ بے شمار ہیں۔ چند کے اسما یہ ہیں۔ حمید الطویل، یذید بن ابی مریم، ایوب قتادہ، بکر بن عبداللہ مزنی، جریر بن ابی حازم، ابوالاشہب، ربیع بن صبیح،، سعد بن ابراھیم، سماک بن حرب، ابن عدن عطاء بن سائب (تہذیب التہذیب، جلد دوم، ص۲۲۴)

خلفا: خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ، ابنِ رزینؒ، شیخ حبیب عجمیؒ، عتبہ بن غلامؒ، شیخ محمد واسعؒ، رابعہ بصریؒ (سیر الاقطاب، اردو، ص۳۵)

ارشادات:

۱۔ جس نے محفل میں اپنے آپ کو برا کہا، اس نے درحقیقت اپنی تعریف کی۔ یہ ریا کی علامت ہے۔

۲۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو۔ جو علم تو علما جیسا حاصل کرتے ہیں اور کام جاہلوں جیسا کرتے ہیں۔

۳۔ علما کی سزا یہ ہے ان کے دل مردہ ہو جاتے ہیں اور دل کی موت عمل آخرت کے

ذریعے دنیا طلب کرنے سے ہوتی ہے۔ وہ اس کے ذریعے اہلِ دنیا کا تقرب چاہتے ہیں اس زمانے میں تو، عالم کو حلال سے بھی پیٹ بھر کر کھانا برا ہے۔ پھر جو حرام سے سیر ہو کر کھاتا ہے اس کا کیا حال ہوگا۔

۴۔ اگر کوئی شخص تمام علم پڑھ لے اور عبادت میں مشغول ہو حتیٰ کہ وہ ستو، یا خشک مشکیزہ کی طرح ہو جائے لیکن اس بات کی تحقیق نہ کرے کہ اس کے پیٹ میں جو کچھ جاتا ہے وہ حرام ہے یا حلال تو اللہ تعالیٰ عزوجل کے نزدیک اس کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی۔

۵۔ تم وصی بننے سے بچو کیونکہ وصی عدل نہیں کر سکتے اگر چہ پوری احتیاط سے کام لے۔

۶۔ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں اور یہ دریافت نہیں کرتے ان۔ کے بھائی کو اس امداد کی ضرورت ہے یا نہیں۔

۷۔ جو شخص دین میں تیرے ساتھ فخر کرے، تو بھی اس کے ساتھ فخر کر، مگر جو شخص تیرے ساتھ دنیا میں فخر کرے، تو تو دنیا کو اس کے سینے پر مار۔

۸۔ جب باپ بہت خفا ہو، تو بیٹے کو چاہیئے کہ چپ ہو رہے اور اس کو نصیحت نہ کرے۔

حاجی نجم الدین "مناقب المحبوبین" میں لکھتے ہیں کہ: ذکر حضرت خواجہ حسن بصری ﷺ بدانکہ نام ایشاں در کشف المحجوب و مرأت الاسرار نوشتہ کہ ابو علی الحسین بن الحسن بصری است۔ وکنیت ایشاں ابو محمد و ابو سعید است از کبار تابعین بودہ اند و در "روضۃ الاحباب" نوشتہ کہ پدروی کہ در سال دوازدھم ہجرت بدست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان شدہ بود (روضۃ الاحباب فی سیر النبی والآل اصحاب مولف سید جمال الدین عطا اللہ دشتکی شیرزای م ۹۲۶ھ ملاحظہ ہو (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ہفتم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء ص ۳۷۰۔۳۷۱)۔ در "طبقاتِ حسامیہ" نوشتہ کہ نام پدروی "سیار" بودہ داد مولی حضرت ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بود، و در "سیر الاقطاب" نوشتہ کہ نام پدروی موسیٰ راعی بن خواجہ اویس قرنی بود و نام مادرش "خیرہ" بودہ۔ کہ از موالی (حضرت) بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنھا بودہ () در "تذکرۃ الاولیاء" نوشتہ کہ نام ایشاں "حسن" بود و نیز دراں نوشتہ کہ چوں او در وجود آمد او را پیش امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آوردند او شاں فرمودند: "سَمُّوْا ہُ حَسَنًا فَاِنَّہٗ حَسَنُ الوَجْہِ "۔ یعنی نام۔

داریدایں "حسن" کہ ایں خوبصورت است پس۔ صحیح قول ہمیں است کہ نام ایشاں حسن است۔ ولادت ایشاں در سنہ بست و یکم ہجری در مدینہ منورہ و در خلافت حضرت عمر بن الخطاب شد۔ وایشاں یک صد و بست صحابہ را و بقولے یک صد و سی صحابہ را دیداست کذافی "شواہد النبوۃ" و "تذکرۃ الاولیاء"۔ وایشاں مرید و خلیفہ آپ (حضرت) علی مرتضیٰؓ اند۔ اگر چہ بعضے دیگر گو۔ نہا گویند اما صحیح نیست اما صحیح این ست کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دریافہ و صحبت اوشاں کردو فیض ظاہری و باطنی فیض از اوشاں گرفتہ و خرقہ یافتہ است۔ اتفاق ہمہ مشائخین صوفیہ است۔ ودر "فخر الحسن" حضرت مولانا صاحب فخر الدین دہلوی خوب تحقیق آں نوشتہ اند و اثبات بیعت و خرقہ حضرت علیؓ کہ بایشاں رسیدہ است کردہ اند، و آنکہ در "تذکرۃ الاولیاء" نوشتہ است کہ او ہفتاد بزرگان (صحابہ) دیدہ بود، و ارادت او (حضرت) بحسن بن علی رضی اللہ عنہما بود و در جمیع علوم رجوع بدو کرد و باز نوشتہ کہ در "تحفہ" آوردہ است کہ ارادت حسن، ای حسن بصریؒ (حضرت) بعلیؓ بودہ و خرقہ از دیگر فت پس جواب قول اول او این ست کہ بعد وفات حضرت علی رضی اللہ عنہ رجوع بایشاں ای باامام حسن پسر حضرت علیؓ کردہ باشد و خرقہا ز وشاں گرفتہ باشد زیرا کہ خلیفہ پیر حکم پیر دارد۔ عمر ایشاں ہشتاد و نہ سالہ بود کذافی "شواہد النبوۃ"، وفات ایشاں در پنجم رجب سنہ یک صد و دہم ہجری شد کذافی "سفینۃ الاولیا"، "شواہد النبوۃ"، و در "مرأت الاسرار" نوشتہ کہ وفات ایشاں در زمان سلطنتِ ہشام بن عبدالملک بن مروان بن الحکم بتاریخ اول رجب در سنہ مذکور در بلدہ بصرہ شد، کذافی "منتخب التاریخ"، "اقتباس الانوار" و بروایت در چہارم محرم سنہ یک صد و یازدہم شد کذافی "اقتباس الانوار" و "آداب الطالبین" قبر ایشاں در بلدہ بصرہ است وایشاں را پسران بودند چنانکہ از ہر سہ کنیت ایشاں معلوم میشود کہ علی و محمد و ابو محمد و ابو سعید کنیت ایشاں شد واللہ اعلم، وایشاں را شش خلفاء بودند، اول خواجہ عبدالواحد بن زید، دوم ابن زرین، سیوم حبیب عجمی، چہارم عتبہ بن غلام، پنجم شیخ محمد واسع، ششم مالک بن دینار و رابعہ بصریہ را ہفتم خلیفہ ایشاں شمردہ اند، اما تحقیق آنست کہ زن قابل خلافت و امامت و نبوۃ نباشد، ہر چند بہ مرتبہ کمالیت برسد و در "شجرۃ الانوار" فرقد، وسہبان ابن سنان و ثابت بنانی و سجستانی را ہم از خلفاء خواجہ حسن بصری نوشتہ اند اما سلسلہ چشتیہ ما بہ خواجہ عبدالواحد میرسد (مناقب المحبوبین، فارسی، مطبوعہ لاہور، ۱۳۱۲ھ، ص ۱۳، ۱۴)

☆☆☆☆☆

سلسلۂ چشتیہ کے چند اہم ملفوظاتی مجموعے۔ایک تعارفی مطالعہ

عبدالعزیز ساحر☆

[۱]

بشارت الابرار خواجہ احمد میروی (م ۵۔محرم ۱۳۳۰ھ) کے ملفوظات گرامی کا نادر اور عمدہ مجموعہ ہے۔اس کے جامع اور مرتب مولوی محمد نواز تھے۔اس مجموعے کی تسہیل مولوی نور حسین فتح جنگی نے کی۔ہر دو حضرات خواجہ میروی کے مرید و خلیفہ تھے۔اصل مجموعۂ ملفوظات ابھی تک تشنۂ اشاعت ہے۔تسہیل خواجہ میروی کی وفات حسرت آیات کے بعد اشاعت آشنا ہوئی۔اس کی طباعت کی سعادت کتب خانۂ محمدی، لاہور کے حصے میں آئی۔۹۰ صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں ۷۸ مجالس کا احوال رقم ہوا۔مرتب نے خواجہ میروی کی زبانی ان کے احوالِ گرامی بھی نقل کیے۔اس حوالے سے بھی یہ مجموعہ گراں ارزش ہے۔

اس مجموعے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع نے ترقیمِ ماہ و سال کا اہتمام نہیں کیا۔اس دُرِ بے بہا کا آغاز کب ہوا اور اس کی تکمیل کس وقت ہوئی؟ ہمیں معلوم نہیں، لیکن اس سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ ملفوظات اس زمانے میں صفحۂ قرطاس کی زینت بنے، جب خواجہ میروی: میرا شریف میں جلوہ افروز ہو گئے تھے۔

[۲]

فیضانِ میروی خواجہ احمد میروی کے احوال اور ملفوظات کا نہایت ہی عمدہ مجموعہ ہے۔اس مجموعے کے مرتب اور جامع خواجہ میروی کے مرید و خلیفہ: مولانا فخر الدین بیر بلوی (م ۶۔ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ/۱۹۔مارچ ۱۹۴۵ء) ہیں۔وہ ۴۔شعبان ۱۳۲۸ھ بروز بدھ کو شرف بیعت سے ہمکنار ہوئے۔انھیں ڈیڑھ سال سے بھی کم عرصہ میسر آیا، مگر انھوں نے اس دورانیے میں بھی

☆ صدر شعبۂ اُردو ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اپنے شیخ کے انوار سمیٹنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔انھوں نے اختصار اور جامعیت سے اپنے پیرو مرشد کے احوالِ گرامی کی ترقیم بھی کی اور ان کے ملفوظاتِ عالیہ کی تحفیظ کا فریضہ بھی انجام دیا۔یہ ملفوظات کب لکھے گئے؟ فاضل مرتب نے اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔یہ ملفوظات سنہ وسال کی تعیین سے بھی بے نیاز رہے،لیکن ان میں ہر لحظہ ارادت اور عقیدت کی خوشبو اُترتی رہی۔یہ احوال اور ملفوظات اردو زبان میں سپردِ قلم ہوئے اور مدتوں طاقِ گمنامی کی زینت رہے۔روشناسِ خلق ہونے میں اس مجموعے کو پچاس سال سے زائد عرصہ لگ گیا۔۲۰۰۶ء میں ان کے سلسلۂ عالیہ کے ایک حلقہ بگوش صاحبِ دل اور صاحبِ ذوق پروفیسر محمد نصر اللہ معینی نے اس مجموعے کو جدید تحقیقی اور تدوینی اسلوب سے مزین کر کے اشاعت آشنا کیا،تو طاقِ نسیاں پہ دھرے اس ملفوظاتی مجموعے کو اشاعت کی روشنی میسر آئی اور اس کی تجلیات کا دائرۂ اثر وسعت آشنا ہوا۔اس مجموعے کے بین السطور روشنی اور نور کی جو دنیا آباد ہے،اس میں خواجہ میروی کی نورانی اور پُر اثر شخصیت کے رنگ ہویدا ہیں۔یہ رنگ پھیل کر نہ صرف عقیدت کیشوں کو اپنے حصار میں لے لیتے ہیں،بلکہ ان کے آئینۂ دل پر اس طرح دستک دیتے ہیں کہ ان رنگوں کی اوٹ سے ان کی شخصیت ایک جمالیاتی پیکر اوڑھ لیتی ہے۔رنگ اور روشنی کے تانے بانے سے جو ارادت کیش اپنی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں،ان کا دل اپنے شیخ کی تجلیات کے دروازے پر ناصیہ فرسا رہتا ہے۔اس ملفوظاتی مجموعے میں یہ خوبی بدرجۂ اتم موجود ہے کہ اس کا مطالعاتی آہنگ اپنے قاری کو اپنی گرفت سے باہر نکلنے نہیں دیتا اور اسے اس طرح اپنے حصار میں مقید رکھتا ہے کہ اس کے من کی دنیا جگمگانے لگتی ہے۔

[۳]

گلدستۂ نصیریہ مع انوارِ فخریہ،بیربل شریف کے صاحبزادہ نصیر الدین کا مرتبہ مجموعہ ہے۔اس مجموعے میں فاضل مؤلف کے خانوادے کے احوال بھی ہیں اور میرا شریف کے بزرگوں کا تذکرہ بھی۔اس میں خواجہ احمد میروی کے ملفوظاتِ عالیہ کی خوشبو بھی بکھری ہوئی ہے۔براہ راست مجموعۂ ملفوظات نہ ہونے کے باوجود اس مجموعے میں ملفوظات کی تازگی کا

احساس موجود ہے۔لفظ 'فرمایا' سے ملفوظات کا آغاز ہوتا ہے۔مختصر سے لفظوں میں حضرت کی خوش کلامی کے مناظر ہویدا ہیں۔ان میں صاحب ملفوظ کی روحانی شان بھی منکشف ہوتی ہے اور ان کی بصیرت افروزی بھی۔

[۴]

ضیاء الکوکب الدری بیان اذکار فی الحیدری پیر سید حیدر علی شاہ گیلانی (م۱۶۔جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ) احوال اور ملفوظات کا عمدہ مجموعہ ہے۔نور خوارق حیدری بھی اس مجموعے کا نام ہے، جس سے سنۂ اشاعت (۱۳۹۵ھ) کا استنباط ہوتا ہے۔اس سلکِ دُرر کے جامع: حافظ سید حسن علی شاہ گیلانی ہیں، جنھوں اپنے پیر و مرشد کے حالات، واقعات اور ملفوظات کو سلکِ الفاظ میں پروکر اپنی جوہر شناسی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔صاحبِ ملفوظات خواجہ اللہ بخش تونسوی (م۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کے دامن گرفتہ اور خلیفۂ مجاز تھے۔یہ مجموعۂ ملفوظات: ایک مقدمے، چھے ابواب اور خاتمے پر مشتمل ہے۔صفحات کی تعداد ۴۲۲ ہے۔چوتھے باب کو ذکرِ ارشادات اور مکتوباتِ عالیہ حضورِ انور رحمتہ اللہ علیہ' سے موسوم کیا گیا ہے، لیکن ملفوظاتِ گرامی کی خوشبو سے کتاب کے دوسرے کئی مقامات بھی معطر ہیں۔بابِ ارشاد (ص۸۹تا۱۸۸) ننانوے صفحات پر مشتمل ہے۔ان ارشادات میں حکایت کا رنگ بھی ہے اور تأثرات کا آہنگ بھی؛ یہ پند و نصائح کا گلدستہ بھی ہے اور اوراد و وظائف کا مجموعہ بھی۔اس میں صاحبِ ملفوظ کی شخصیت اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ موجود ہے۔اس میں ان کی گل افشانیِ گفتار کا رنگ چوکھا بھی اور نمایاں بھی۔

[۵]

ملفوظ مصابیح القلوب ظہیر السجاد کا مرتبہ مجموعۂ ملفوظات ہے۔صاحبِ ملفوظات سید شاہ عبد الصمد مودودی (م۱۷۔جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ) حافظ سید محمد اسلم خیر آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے۔یہ مجموعہ ۱۳۷۶ھ میں تکمیل آشنا ہوا۔اس کے نام سے سنۂ تالیف استخراج ہوتا ہے۔اس مجموعے کا دوسرا نام مرقع سراجِ چشت بھی ہے، جس سے سنۂ اشاعت (۱۳۷۷ھ) کی تخریج

ہوتی ہے۔ یہ مجموعہ انتظامی پریس، کانپور سے شائع ہوا۔اس کے دو حصے ہیں۔حصۂ اول ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔دوسرا حصہ، جو کہ نغمۂ طرب اہلِ دل کے عنوان سے موسوم کیا گیا ہے،۴۴ صفحات کو محیط ہے۔اس مجموعے کا ایک ضمیمہ بھی چھپا تھا، جسے تتمۂ عنایات کا تاریخی نام دیا گیا ہے۔ اس کی ضخامت ۸ صفحات ہے۔یہ مجموعہ مودودی صاحب کے احوال وآثار پر مشتمل ہے۔اس میں ان کی زندگی کے پُر انوار لمحوں کے عکسِ جمیل کو منعکس کیا گیا ہے۔ان کی خوش آثار گفتگو کے کئی مناظر بھی اس مجموعے کی زینت ہیں، مگر مؤلف نے انھیں علیحدہ کسی باب میں یکجا کر کے موضوعِ گفتگو نہیں بنایا، بلکہ خوشبو کی طرح خوش کلامی کے یہ مناظر اس مجموعے میں عکس انداز ہوئے اور ان کی اپیل نے پورے منظرنامے کو مشکبار کر دیا۔

[۶]

تسکین القلوب خانقاہِ فاضلیہ کے ایک بزرگ خواجہ محمد اعظم شاہ (م ۱۱۔ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۴۔ دسمبر ۲۰۰۴ء) کے ملفوظاتِ گرامی کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کی جمع آوری کی سعادت ان کے ایک مرید اور ارادت کیش محمد عبدالوہاب چشتی اعظمی کا مقسوم ہوئی۔ جامعِ ملفوظات پہلی بار ۱۶۔ ستمبر ۱۹۹۵ء/ ۱۸۔ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ کو اپنے مرشد کی بارگاہ اقدس میں باریاب ہوئے۔ملفوظات نگاری کا سلسلہ کب آغاز ہوا؟ مرتب نے اس کا اظہار تو کہیں نہیں کیا۔البتہ اس نے ۱۵۔ اکتوبر ۲۰۰۴ء (۲۹۔ شعبان ۱۴۲۵ھ) کو آخری مجلس کا احوال رقم کیا۔اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس مجموعے کی تحریر و تسوید کا زمانہ ۱۴۱۶ھ سے ۱۴۲۵ھ کے درمیانی نو برسوں کو محیط ہے۔یہ ملفوظات خواجہ محمد اعظم شاہ کی اجازت سے قلم بند ہوئے۔محمد عبدالوہاب چشتی رقم طراز ہیں:

> ''میں نے درگاہِ عالیہ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ فاضلیہ گڑھی شریف کے سجادہ نشین حضرت رابع خواجۂ خواجگان محبوبِ محبوبِ الٰہی مخدوم سید محمد اعظم شاہ صاحب غریب نواز کے جو فرمودات تحریر کیے ہیں، وہ مختلف مجالس میں، میں نے خود مرشد پاک کی زبانِ مبارک سے سماعت کیے ہیں اور آپ حضور سے

اجازت لے کر یہ ملفوظات شریف احاطۂ تحریر میں لائے ہیں"۔

اس مجموعے میں کہیں کہیں مرتب نے ملفوظات کی ترقیم میں تاریخِ ماہ وسال اور دن کی تعیین کا بھی التزام کیا ہے، لیکن یہ حسنِ اہتمام پورے مجموعے میں دکھائی نہیں دیتا۔ ستارے کا نشان لگا کر ہر مجلس کی روداد نویسی کی گئی۔ کل مجالس کی تعداد تین سو اکتالیس ہے۔ اس مجموعۂ ملفوظات میں عرفان وایقان کی باتیں بھی ہیں اور عشق ومحبت کے قصے بھی؛ اس میں اوراد ووظائف کا تذکرہ بھی ہے اور سخن ہائے رمز آشنائی بھی۔ سادہ اور سلیس زبان میں چھوٹے چھوٹے جملے عرفان اور معرفت کا خزینہ ہیں۔ یہ ملفوظاتی مجموعہ اردو زبان میں ہے اور فروری ۲۰۱۰ء میں حسنِ طباعت سے مزین ہو کر اشاعت آشنا ہوا۔ اس کے صفحات کی تعداد ۱۸۴ ہے۔

[۷]

حبیب الفواد سید حبیب علی شاہ کا ملفوظاتی مجموعہ ہے، جسے احمد علی شاہ چشتی نے مرتب کیا۔ اس مجموعے کا آغاز ۱۷۔ ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ کو ہوا اور اس کی تکمیل ۱۴۔ محرم ۱۳۰۵ھ کو ہوئی۔ جامع ملفوظات نے دن، ماہ اور سال کی تعیین کے ساتھ آٹھ مجالس کا احوال لکھا۔ پہلی بار یہ مجموعہ احسن المطابع کے زیرِ اہتمام صفر ۱۳۱۲ھ کو منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ دوسری بار یہ مجموعہ جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ/ ستمبر ۱۹۹۸ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ اس کی طباعت اور اشاعت کا اہتمام خواجہ پریس، حیدر آباد نے کیا۔ یہ مجموعہ ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

حبیب الفواد کے جامع اور مرتب نے لکھا ہے کہ انھوں نے ان ملفوظات کو:

"باحتیاطِ تمام جس طرح کہ زبانِ ولایت بیان سے ارشاد ہوئے، لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً جمع کیا اور یہ مجموعہ کہ چونکہ منبعِ فوادِ متبرکۂ فیوضات ہے، لہٰذا اس کا نام حبیب الفواد کہا"۔

حبیب الفواد میں متصوفانہ جمالیات کے رنگ اپنی تہذیب کے تناظر میں منکشف ہوئے، تو ان کی بصیرت افروز کیفیات کی تعبیر متنوع جہات میں منعکس ہوگئی۔ اس مجموعے میں

وجدانی آہنگ کی معنوی ترجمانی بھی ہے اور مشاہداتی طرزِ احساس کی فکری رعنائی بھی؛ اس میں روحانی تجربے کی بازگشت بھی ہے اور عرفانی تجلیات کی باز آفرینی بھی؛ اس میں مکاشفے کی مسرت آمیز لہریں بھی ہیں اور جذبے کی جمال افروز تعبیریں بھی۔ یہ مجموعہ اپنے آثار کی خوش خیالی کے اسلوب سے جگمگا رہا ہے اور اس کی مہکار میں ماضی کے کتنے ہی موسم طلوع ہو رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

"قندیلِ سلیماں" کی اگلی اشاعت میں خصوصی طور پر "حضرت مولانا غلام زین الدین چشتیؒ ترگوی" کے احوال و آثار، ملفوظات، مکاتیب، اشاعتِ اسلام کے لیے آپ کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اہلِ قلم اس سلسلہ میں اپنی تحریریں ماہِ نومبر کی ۱۵ تاریخ تک ارسال فرما دیں۔

حضرت مولانا عبدالنبی المعروف فقیر صاحب پوئی گاڑاں
(حضرات چشتیہ خانقاہ مکھڈ شریف کے اولین تذکرہ نگار)

راجہ نور محمد نظامی بھوئی گاڑ☆

حضرت مولانا عبدالنبی قریشی بن امیر المجاہدین حضرت مولانا قاضی امیر حمزہ قریشی بن حضرت مولانا حافظ شیخ احمد قریشی بن حضرت مولانا قاضی محمد عباس بن حضرت مولانا قاضی شیخ سنت اللہ (خلیفہ حضرت سرالاعظم شیخ محمد یحییٰ المعروف حضرت جی بابا اٹک نقشبندی مجددی متوفی ۱۱۳۲ھ) بن حضرت مولانا قاضی عبدالوہاب بن قاضی عبدالعزیز بن قاضی علی احمد بھوئی گاڑ علاقہ پنج کھٹہ نزد ٹیکسلا تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک کے ایک مشہور اہلِ علم علوی قریشی خانوادہ میں ۱۲۶۲ھ بمطابق ۱۸۴۷ء کو پیدا ہوئے۔

آپ کے جدِ امجد حضرت مولانا حافظ شیخ احمد قریشی موضع میانہ موہڑہ نزد دولتالہ علاقہ پوٹھوہار تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی سے آکر بھوئی گاڑ میں آباد ہوئے تھے۔اور بھوئی گاڑ کی قدیم علمی درسگاہ کو آپ کی وجہ سے شہرتِ دوام ملی۔خانقاہ چشتیہ مکھڈ شریف کے بانی حضرت مولانا محمد علی المعروف مولوی صاحب مکھڈی اور آپ ہم مکتب وہم درس تھے۔ دورانِ تدریس باہم آمدورفت رہی، بہت قریبی روابط تھے۔آپ کے صاحبزادگان فاضلِ اجل حضرت مولانا قاضی محمد شفیع قریشی اور حضرت مولانا قاضی امیر حمزہ قریشی حضرت مولوی صاحب مکھڈی کے تلامذہ میں سے تھے۔

قدیم بزرگوں کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ مولانا زین الدین مکھڈی سجادہ نشین حضرت مولوی صاحب مکھڈی (۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۷ء) حضرت مولانا بہاء الدین قریشی اور

☆ نور محمد نظامی، بھوئی گاڑ، حسن ابدال، ضلع اٹک (تاریخ، تذکرہ اور آثاریات کے فاضل)

دیگر متعلقین، متوسلین اور مریدین علما و مشائخ کے ہمراہ حضرت مولانا حافظ شیخ احمد قریشی صاحب کی ملاقات کے لیے سفرِ ہزارہ کے دوران تشریف لائے تھے۔ حضرت مولانا قاضی امیر حمزہ قریشی اور حضرت خواجہ زین الدین مکھڈی کے ہم درس تھے اور پیر بھائی بھی تھے۔ اس کی تصدیق ''تذکرۃ المحبوب'' صفحہ ۳۰ کی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا عبد النبی قریشی صاحب کی والدہ محترمہ حضرت مولانا حکیم نظام الدین قریشی ساکن موضع دندی تحصیل پنڈی گھیب کی صاحبزادی تھیں۔ قاضی نواب علی جدون ہزاروی نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں آپ کا اسم گرامی غلام نبی اور عبد النبی لکھا ہے اور مزید لکھتے ہیں کہ آپ فقیر صاحب پوہی کے نام سے مشہور تھے۔ قرآن مجید، عربی، فارسی کی منظوم درسی کتب اور صرف ونحو، منطق وغیرہ علوم کی ابتدائی کتب اپنے چچا محترم فاضلِ اجل حضرت مولانا قاضی محمد شفیع قریشی اور بعض دوسرے اساتذہ سے پڑھیں۔ پندرہ سال کی عمر میں ۱۲۷۸ھ بمطابق ۱۸۶۱ء میں والدِ محترم مزید تعلیم کے لیے مکھڈ شریف حضرت خواجہ مولانا زین الدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ حضرت مولانا صاحب مکھڈی کی خدمت میں لے گئے۔

حضرت مولانا محمد الدین صاحب مکھڈی ''تذکرۃ الصدیقین'' میں لکھتے ہیں۔ مولوی عبد النبی صاحب ساکن بھوئی کوان کے والد صاحب حضرت زینت الاولیاء (مولانا زین الدین صاحب) کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں اپنا لڑکا آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ علم ظاہری وباطنی میں آپ سے میں اس کو کامل لوں گا۔ حضرت صاحب نے اس وقت کچھ نہ فرمایا۔ اور اسباق مولوی عبد النبی صاحب کے شروع کر دیئے۔ چند دن کے بعد حضرت صاحب نے خود فرمایا کہ مولوی جی تمہارے اسباق تو شروع ہو گئے ہیں! تم بیعت بھی کر لو؟ مولوی عبد النبی صاحب نے انکار کیا کہ میں ابھی بیعت نہیں کرتا۔ اُسی رات جب مولوی صاحب سوئے تو خواب میں دیکھا کہ میدانِ قیامت برپا ہے اور لوگ حساب وکتاب سے فارغ ہو کر بہشت کی طرف جا رہے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کہتے ہیں کہ میں بھی اس گروہ میں شامل ہو کر بہشت کی طرف روانہ

ہوا جب میں بہشت کے دروازہ پر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت زینت الاولیاء دروازۂ بہشت پر تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو بہشت میں داخل فرما رہے ہیں۔ جب میں پہنچا تو حضرت نے فرمایا تم ابھی ٹھہر جاؤ۔ اس خواب سے جب مولوی صاحب بیدار ہوئے تو تہجد کا وقت تھا۔ اسی وقت اٹھ کر بارہ دری میں آئے دیکھا کہ حضرت زینت الاولیاؒ نمازِ تہجد کے لیے وضو فرما رہے ہیں۔ اس وقت بیعت کے متعلق عرض کر کے مشرف بہ بیعت ہوئے۔

''مولانا عبدالنبی صاحب ''تذکرۃ المحبوب'' میں لکھتے ہیں۔ روزی راقم آثم بخدمتِ اقدس ایشاں (حضرت زینت الاولیاء) بمقاصد تبرک میر زاہد و غلام یحییٰ و عبدالعلی (کتابیں) در صفہ باراں دری بعد از نمازِ ظہر شروع نمود، اولاً میر زاہد، ثانیاً غلام یحییٰ چوں نوبت عبدالعلی رسید استفسار نمودند کہ ایں کدام کتاب است، عرض کردہ شد کہ عبدالعلی است۔ فرمودند کہ ایں ہیچ کس نمی خواند یعنی تصریحاً منع فرمودند''

ترجمہ: ایک روز راقم الحروف حضرت اقدس کی خدمت میں بہ مقصد تبرک میر زاہد اور غلام یحییٰ اور عبدالعلی (کتابیں) پڑھنے کے لیے نمازِ ظہر کے بعد صفہ باراں دری میں حاضر ہوا۔ پہلے میر زاہد پھر غلام یحییٰ کو شروع کیا۔ جب بات عبدالعلی پر پہنچیں تو سوال کیا کہ یہ کونسی کتاب ہے۔ میں نے کہا کہ عبدالعلی ہے۔ فرمایا کہ اس کو تو کوئی آدمی نہیں پڑھتا۔ یعنی تصریحاً منع فرما دیا۔

مکھڈ شریف میں آپ نے تقریباً دس سال قیام فرما کر علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل فرمائی۔ آپ کے مکھڈ شریف کے اساتذہ میں حضرت خواجہ مولانا زین الدین صاحب سجادہ نشین کے علاوہ حضرت استاد قریشی صاحب ساکن تراپ، تحصیل تلہ گنگ، ضلع چکوال اور حضرت استاد مولانا خورشید صاحب ساکن لنگڑیال (پنڈی گھیب) کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔ اسی دوران آپ نے کچھ عرصہ موضع لنگڑیال تحصیل پنڈی گھیب میں حضرت مولانا خورشید صاحب سے بھی تعلیم حاصل کی اور میاں ابراہیم لنگڑیالی خلیفہ مولوی صاحب مکھڈی کی صحبتوں میں بھی رہے۔ ''تذکرۃ المحبوب'' کی چند عبارات مندرجہ بالا واقعات کی تصدیق کرتی ہیں۔

۱۔ راقم آثم درزمانہ طالب علمی (مکھڈ شریف) در ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) تخمینا نیز سماع قرآن لمصاحبہ آں زینت الاولیاء دراین موسمِ سرما از حافظ احمد اقوالی (اقوال، تحصیل تلہ گنگ) درآں مسجد کلاں کردہ بود۔ ص ۱۶

۲۔ استاد قریشی صاحب کا ذکرِ خیر "تذکرۃ المحبوب" میں استاد قریشی صاحب کے اسمِ گرامی سے کیا ہے۔

۳۔ چنانچہ بارے راقم آثم قدر یک سال تخمینا بخدمتِ اقدس (خواجہ مولانا زین الدین صاحب مکھڈی) سعادت اندوز گشتہ بود۔ ص ۲۹

۴۔ چنانچہ باری راقم آثم خبر مرض الموت اخویصاجب محمد جان نور اللہ مرقدہ درزمانہ طالب علمی، درشہر لنگڑیال رسید، ص ۳۷، ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء کا واقعہ ہے (نظامی)

۵۔ حضرت مولانا صاحب مکھڈی کے خلفاً میں لکھتے ہیں و یکے از ایشاں میاں ابراہیم صاحب ساکن لنگڑیال کہ صاحبِ تاثیر بودند۔ وراقم آثم درزمانہ طالب العلمی باایشاں بسیار محبت داشت وقرار ایشاں درموضع مذکور است کہ قریب پنڈی گھیب جانبِ شمال بفاصلہ سرکردہ واقع است۔ ص ۱۲۵

۶۔ مخدوم راقم آثم اعنی جناب استاذیم میاں محمد خورشید صاحب ادام اللہ حیاتیہ لنگڑیال، ص ۲۰

فراغتِ علوم ظاہریہ کے بعد اپنے مرشدِ گرامی حضرت خواجہ مولانا زین الدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ حضرت مولوی صاحب مکھڈ شریف سے ہی تمام علوم و اسباق علمِ باطنی کی تکمیل فرمائی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی عبدالحی قریشی ساکن بھوئی گاڑ متوفی ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۹۸۰ جو کہ آپ کے برادرزادے تھے کے بقول حضرت پیرومرشد سے خلافت واجازت بھی تھی مگر آپ نے تمام عمر باطنی تربیت پر ظاہری علوم کو ترجیح دی۔ "تذکرۃ المحبوب" کی چند عبارات درج ذیل ہیں جو اس امر کی تصدیق کرتی ہیں۔

۱۔ (حضرت زینت الاولیاً) عادت شریفہ بود کہ حصولِ علوم ظاہریہ ضروریہ را از شغلِ وظائف مقدم میداشتند وطلباء را تحریص بر علوم ظاہریہ می دانند و وظائف ایشاں را اندک میفر مودند۔ وبعد از حصولِ علوم ظاہریہ شغل بو ظائف را پسندی نمودند۔ چنانچہ راقم آثم را نیز اجازت بعض از وظائف موقوف بر تحصیل علم [illegible] فرمودہ بودند۔ ص ۱۷

۲۔ [illegible] آثم را در سالہا اخیرہ [illegible] طلاب علم [illegible]) نظر مبارک ایشاں سالہا ضعیف شدہ بود۔ بسا بار فرمودہ بودند کہ خاطر من می خواہد کہ شرح عقائد و خیالی [illegible] ضعیف شدہ است۔ وراقم آثم درآں زمان بخوندان قطبی مشغول بود۔ ص ۱۹

۳ بارے در بنگلہ شریفہ بوقتیکہ دیگر ہیچ کس بدون آن زینت الاولیاء وراقم آثم موجود نبود ورا[illegible]ثم بہ قبض جوارح مبارکہ مشغول بود پس دراں وقت عرض کردہ شد کہ درودِ مستغاث شریف راقم [illegible] بمہر خود مزین فرمائید۔ پس از سر کمال شفقت کہ شیوۂ آں ذات اقدس است۔ فرمودند کہ بہ ثبت مہر چہ حاجت است۔ انتہا۔ سبحان اللہ۔ درآں وقت چنداں سرور در دلی راقم آثم حاصل گردید کہ قلم از بیانش ابی است۔ قطعہ۔

نیاید شرحِ آں ذوقی با کلام
کجا در قول آید ذوق حالی

باز جواب عرض کردہ شد کہ مارا از والدِ خود چنان ایماء رفتہ بود لہٰذا بحضورِ اقدس معروض ساختہ شد۔ الغرض شاید دوم روز بوقت چاشت استاذ قریشی صاحب مارا طلبہ فرمود کہ درودِ مستغاث مملوک خود را کہ بیادِ کہ آں زینت الاولیاء میفر مائید، کہ عبد النبی را بمعہ درودِ مستغاث مہر خود ثبت کردہ بدہیم پس بموجب اشارہ بمع استاذ قریشی صاحب بر بنگلہ شریفہ بحضورِ اقدس حاضر شدم و درود را نیز ہمراہ بردہ بود۔ پس آں زینت الاولیاء استاذیم قریشی را فرمودند کہ در آخروی مہر ثبت بکند قضاً در بنگلہ شریفہ درانوقت سیاہی موجود نبود۔ پس برای طلبِ سیاہی فی الحال از بنگلہ شریفہ نزول نمودہ در مسجد طلب سیاہی کردہ شد لکن از مسجد نیز دست یاب نشد، پس بکمال شتابی از مسجد بازار روالہ سیاہی

آوردم لکن چنداں عمدہ نبود۔ اما وجود از عدم بہتر دانستہ بحضور اقدس حاضر کردہ شد۔ پس دراں وقت چوں بنگلہ شریفہ بمع سیاہی رسیدم دیدم کہ آں زینت الاولیاء درود مستغاث شریف را درست مبارک خود گرفتہ بودند و آخرش را وا کردہ استاذیم قریشی را فرمودند در اینجا مہر ثبت نماید۔ پس استاد قریشی صاحب موجب فرمودہ عمل بجا آورد و مہر ثبت نمود۔۔۔ص ۲۱۔۲۲

۴۔ چنانچہ بارے راقم آثم را خبر مرض الموت اخویصاحب محمد جان نور اللہ مرقدہ در زمانہ طالب العلمی در شہر لنگڑیال رسید چونکہ ماوائے راقم بجز آن زینت الاولیاء ہیچ نبود۔ص ۳۷

حضرت مولانا محمد الدین صاحب مکھڈی اپنی تصنیف ''تذکرۃ الصدیقین'' میں لکھتے ہیں۔

۱۔ صاحبِ تذکرہ (حضرت مولانا عبد النبی صاحب) فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھ سے وظائف فرمودہ حضرت کے ادا کرنے میں سستی اور غفلت ہوگئی۔ اس وجہ سے مجھے خیالاتِ باطلہ پیدا ہونے شروع ہو گئے اور کسی حیلہ سے رفع نہیں ہوتے تھے۔ میں نے لاچار ہوکر حضرت کی خدمتِ اقدس میں عرض گزاری۔ حضرت نے میرا حال سن کر فوراً فرمایا کہ ''گندیا''! وظائف میں نقصان کیا ہے؟ پھر حضرت نے فرمایا کہ ایک تسبیح، '' استغفر اللہ ربی من کل زنب واتوب الیہ واسلہ التوبہ '' ہر نماز کے بعد پڑھ لیا کر۔ میں نے اس تسبیح کو پڑھنا شروع کیا۔ دوسرے دن تک سب خیالاتِ فاسدہ رفع ہو گئے۔ص ۷۷۔۷۸

۲۔ مولوی صاحب (حضرت مولانا عبد النبی قریشی صاحب) کی کمالِ عقیدت جو کہ ''تذکرۃ المحبوب'' کی عبارت سے ٹپک رہی ہے ان کے کمالِ باطن پر بین دلیل ہے۔ص ۳۹

مولوی صاحب نے اپنی زندگی کا اکثر وقت اپنے وطن کے علاوہ اپنے مرشد خانے مکھڈ شریف میں گزرا۔ اپنے پیرو مرشد کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ ''تذکرۃ المحبوب'' کی چند عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پیرو مرشد کے ہمراہ اکثر تونسہ شریف بھی جاتے رہتے تھے۔ جب کبھی وطن میں قیام ہوتا تو یہاں سے بھی اپنے رفقا اور طلبا کے ساتھ مکھڈ شریف حاضری دیتے رہتے تھے۔ اپنے پیرو مرشد کے عاشقِ صادق تھے اور ان کی شان میں آپ کا فارسی و پنجابی کلام بھی

ملتا ہے۔

مرکزی جامع مسجد بھوئی گاڑ سکھوں کے عہد میں شہید کر دی گئی تھی۔ ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۱ء میں اس کی تعمیر نو کی گئی تو اس کی چھت میں لکڑی کی تختی پر آپ کا دست نویس کتبہ تھا جس کی عبارت مندرجہ ذیل تھی۔

عبد شو از خادمانِ شہ مکھڈ
تاکہ باشی در امانِ شہ مکھڈ

فقیر عبدالنبی عفی اللہ عنہ ۱۲۸۸ھ

''تذکرۃ المحبوب'' کی عبارت کے ایک ایک لفظ سے آپ کی اپنے پیرومرشد سے کمال عقیدت کا اظہار ہو رہا ہے لیکن آپ نے نثر کے ساتھ ساتھ نظم میں بھی اپنے پیرومرشد کی شان کا اظہار کیا ہے فارسی کے چند اشعار پیش خدمت ہے۔

یار را شیشۂ شراب رسید	۱	راحت اندر دلِ خراب رسید
ماہِ رویاں برخ نقاب کشید	۲	بیں کہ آں شوخ بے نقاب رسید
دل من رفت سوئے مژگانش	۳	گویا سیخ را کباب رسید
چوں نظر کرد بر رُخسارش	۴	از حیا بہ رُخش گلاب رسید
پیرِ ما نورِ حق بلاریب است	۵	ایں حکایت شیخ و شاب رسید
چوں رہِ عقل را خطا کردم	۶	من دیوانہ را خطاب رسید
کہ بجز ذاتِ پیر نیست کسے	۷	زانکہ او را ز حق شراب رسید

ص ۶۔۷

آج سے نصف صدی قبل راقم الحروف نے ''کتب خانہ ربانیہ بھوئی گاڑ حضرت مولانا مفتی عبدالحی قریشی'' میں آپ کی دست نویس قلمی بیاض دیکھی تھی۔ جو، اَب معلوم نہیں کہاں ہے۔ اس میں آپ نے اپنے پیرومرشد کی شانِ اقدس میں پنجابی میں ایک کافی لکھی تھی۔ جو راقم الحروف

نے محفوظ کر لی تھی درج ذیل ہے۔

کافی ریختہ ہندی

ہک شعلہ نور حقانی خواجہ زین الدین نورانی	۱	اوتاں ہر ہک دا منظور ے، بہاویں حوراں ملک اسمانی
سوہنے تاج فخر دا پایا، سر چھتر لولاک جھولایا	۲	بیجوں تھیں ہن چوں بن آیا بھر رنگ وچ رنگ سمایا
جگ سارے نوں رنگ لایا ہویا وچ مکھڈ مکانی	۳	گھر گھر وچ شور مچیا آیا، آیا بن کر شکل نورانی
سوہنا عالی صفتاں والہ، ہویا سب دا مولا اعلیٰ	۴	خواجہ آکر مل شتابی ، سوہنا مکھڑا دس مہتابی
سب تھیں شان نرالہ، بیٹھا پا خلعت سلیمانی	۵	تن بدن مثال گلابی دیو ہن وصال جلالی
سوہنا ہر مظہر وچ نوری ہویا وچ جناب حضوری	۶	سب کیتا ملک آوازہ، سب گھول کرن جند جانی

بھوئی گاڑ سے مکھڈ شریف اپنی ایک حاضری کا واقعہ ''تذکرۃ المحبوب'' میں لکھتے ہیں۔

چنانچہ در سالی در ماہِ رمضان برعرس حضرت مولانا مکھڈی صاحب چند رفیقاں جمع شدہ عازم ''مکھڈ شریف'' گشتیم چوں در باراں دری شریف بعد از نمازِ ظہر بحصولِ قدم بوسی مشرف شدیم الحمد للہ، پس دراں وقت رنگِ چہرہ مبارک ایشاں مائل بزردی و سپیدی بود و چوں از بعض یاراں بسمع راقم آثم قبل ازیں رسیدہ بود کہ آن زینت الاولیاءؒ راقبل ایام عرس تپ عارض شدہ بود تا کہ ہنوز از سببِ ضعف ہر نماز با تیمم ادا می نمانید، بنا براں در ذہن راقم آثم گزشت کہ شاہد چہرہ مبارک ایشاں از سبب تپ متغیر شدہ است۔ پس از ساعت قائم خان کہ یکی از رفیقاں راقم بود، از صحبتِ اقدس برخاستہ تعظیم بجا آوردہ بیرون رفت و بیرون دروازہ باراں دری استادہ شدہ بہ اشارہ انگشت راقم آثم راطلبید، پس بموجب اشارہ او برخاستہ تعظیم بجا آوردہ بیرون آمدہ باستفسار مقصود بالا بہ اشارہ پرداختم۔ قائم خان شاید برای دم کنانیدن چیزی راقم راوکیل ساختہ پس فوراً اجابتہ وکالتہ او کردہ، باز مشاہدہ جمال آں زینت الاولیاؒ مسرور شدم۔ الحمد للہ۔ ص ۵۔۶

ترجمہ:

ایک سال ماہِ رمضان المبارک میں حضرت مولانا صاحب مکھڈی کے عرس پر چند رفقاء کے ساتھ ''بھوئی گاڑ'' سے عازم مکھڈ شریف ہوا۔ بعد از نماز ظہر باراں دری شریف میں الحمد

اللہ قدم بوسی سے مشرف ہوا۔اس وقت حضرت کے چہرہ مبارک کا رنگ زردی مائل سفید تھا۔چوں کہ بعض دوستوں نے مجھے اس سے قبل بتایا تھا کہ حضرت زینت الاولیاء کو عرس سے چند دن قبل تپ کی بیماری ہوئی تھی اور اس کے سبب ابھی تک کمزوری تھی اور آپ ہر نماز تیمم سے ادا کرتے تھے۔اُس کی وجہ سے میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ شاید چہرہ مبارک کا رنگ تپ کی بیماری سے تبدیل ہے۔تھوڑی دیر بعد میرے ایک دوست قائم خان مجلس سے اٹھے اور تعظیم بجالا کر باہر چلے گئے باراں دری کے دروازہ کے باہر کھڑے ہوکر مجھے انگلی کے اشارہ سے بلایا میں اس کے اشارہ پر اٹھا اور تعظیم بجالا کر باہر آیا اور اس کے اشارہ کا سبب پوچھا۔قائم خان نے مجھے کوئی چیز دم کروانے کے لیے دی۔پس میں فوراً اس کا کام کروانے کے لیے دوبارہ آیا تو حضرت زینت الاولیاء کا چہرہ با جمال دیکھا تو خوش ہوگیا۔الحمداللہ

۱۳ محرم الحرام ۱۲۹۵ھ بمطابق ۷ جنوری ۱۸۷۸ء کو آپ کے پیرو مرشد حضرت زینت الاولیاء خواجہ مولانا زین الدین صاحب سجادہ نشین مکھڈ شریف کا وصال ہوا۔تو آپ مکھڈ شریف میں موجود تھے۔دورانِ بیماری پیرو مرشد کی بڑی خدمت کی۔حضرت مولانا محمد الدین مکھڈی ''تذکرۃ الصدیقین'' میں لکھتے ہیں:

صاحبِ تذکرہ حضرت مولانا عبدالنبی قریشی فرماتے ہیں کہ میں حضرت کے وصال کے وقت حاضر تھا۔جب میں نے وصال سے تھوڑی دیر قبل حضرت کے چہرہ مبارک پر نظر کی تو ایسے نظر آیا کہ حضرت کا چہرہ مبارک سبز رنگ مائل سرخی پر توافگن ہے اور پسینہ کی وجہ سے ایسا نظر آتا ہے جیسا کہ گلاب کے پتے پر شبنم پڑی ہو۔اس وقت میں سخت غم میں مبتلا ہوگیا۔وصال کے بعد جب میں نے دیکھا تو چہرہ منور مبارک محض زرد ہوگیا اور بینی داہنی طرف جھک گئی۔ص ۷۹۔۸۰

اپنے پیرو مرشدم کے وصال کے بعد اُن کو غسل دینے والے حضرات میں شامل تھے کفن بھی آپ نے دیا۔نماز جنازہ اور تدفین میں بھی شامل رہے۔اپنے پیرو مرشد کے فراق میں چند اشعار لکھے جو درج ذیل ہیں۔

ای رُخت نور دیدۂ عشاق ۱ ای درت قبلہ گاہ ہر مشتاق

تو بخوبی بتا نداری جفت	۲	زانکہ ہستی بخوب روئی طاق
دلبراں گرچہ دلبرند ولیک	۳	از ہمہ دلبری علی الاطلاق
زہر نو شندہ گانِ جام غمت	۴	می نخواہند از کسے تریاق
دیگراں می کشند ساغر وصل	۵	ما غریباں مدام درد فراق
مخبراں دیارِ عالمِ عشق	۶	ایں خبر می دہند در آفاق
کہ بجز ذات پیر نیست کسے	۷	از چہ جوئی ز چین و حدِ عراق

تاوفات اپنے مرشد خانہ خانقاہ زیارت معلیٰ حضرت مولوی صاحب مکھڈ شریف سے آپ کا اور آپ کے خاندان کا پندرھویں صدی ہجری کے شروع تک تعلق رہا۔

حضرت زینت الاولیاء خواجہ مولانا زین الدین صاحب کے جانشین حضرت مولانا غلام محی الدین صاحب مکھڈی کا ایک مکتوب گرامی راقم الحروف کے کتب خانہ میں محفوظ ہے جو آپ کے نام لکھا گیا ہے اُس کی عبارت درج ذیل ہے۔

بخدمت مشفقی صمیم و محبی قدیم جناب مولوی محمد عبدالنبی صاحب زاداللہ محبتکم

بعداز السلام علیکم من لدیکم

واضح ہو کر برخوردار محمد شمس الدین کو موچی کڑی (موچی کڑی، تحصیل جنڈ) والیاں گواہ لکھا دیا ہے۔ بیچ اس مقدمہ کے جس کے روا کرنے کے لیے گئے تھے۔ آپ تکلیف معاف کر کے خود بخود گہوڑی (گڑھی افغانان، نزد بھوئی گاڑ) میں جا کر مولوی عبداللہ صاحب (سجادہ نشین حضرت خواجہ پیر محمد فاضل شاہ چشتی) کو بتائیں کہ ایسا ایسا معاملہ ہوا ہے۔ اور آپ نواب خان صاحب (سردار نواب خان کھٹر، رئیس دھریک، تحصیل فتح جنگ) کے پاس کوئی آدمی بھجو (بھیجو) کہ کل حقیقت بیان کرے اور فرماؤ نواب خان صاحب کو کہ تم نواب صاحب اٹک والے (نواب سردار محمد افضل خان یوسف زئی، تحصیلدار اٹک) کے طرف لکھویا آدمی روانہ کرو کہ برخوردار مذکور یعنی شمس الدین کو گواہی سے جس صورت ہو سکے نکال دیویں۔ ضرور ضرور ضرور بصد ضرور تاکیداً یہ

عرض ہے اس امر میں حتی المقدور بہت کوشش کریں۔

والسلام

راقم فقیر غلام محی الدین احمد

زیارت شریف مکھڈ

از جانب فقیر محمد شمس الدین بخدمت فقیر مولوی صاحب و بخدمت جناب مولانا مولوی محمد عبدالنبی صاحب تسلیمات و تعظیمات قبول باد و فتح خان صاحب (ملک فتح خان چچی گوجر نمبردار بھوئی گاڑ بانی خاندان فتح خانی) کو سلام پہنچے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ ضلع اسلام آباد جو آپ کے والدِ محترم حضرت مولانا قاضی امیر حمزہ قریشی اور عمِ بزرگوار حضرت فاضلِ اجل مولانا قاضی محمد شفیع قریشی کے تلامذہ میں سے تھے۔ ہندوستان کے شہر سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا احمد علی سہارنپوری سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر وطن واپس تشریف لائے تو آپ نے اُن سے بڑی عمر ہونے کے باوجود حدیث شریف کی مشہور کتاب صحیح بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ مولوی نواب خان ہزاروی اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھتے ہیں۔

> الحمد للہ و شکر یہ کہ آج یکم اکتوبر ۱۸۸۲ء کو سلطان العارفین قطب الذاہدین حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب مع مولوی غلام نبی یا عبدالنبی صاحب پوہے والے و حافظ سراج الدین صاحب (مدفن، انجرا۔ نزد مکھڈ شریف) دماہ لقا محمد خان پیش خدمت کے موقع کوٹ نجیب اللہ خان کو گلستان ارم بنایا اور ڈیرہ دولت مسجد خندق میں کیا۔ بعارف و لحاظ مولوی منہاج الدین صاحب اور مولوی عبد النبی صاحب پوہے والے آپ سے کتاب صحیح بخاری پڑھتے تھے۔ ص ۴۰۔۴۱

ایک دفعہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب بھوئی گاڑ میں تشریف لائے ہوئے تھے مسجد میں تشریف فرما تھے حضرت پیر مہر شاہ صاحب نے چائے نوش فرمائی۔ دور و نزدیک علاقوں کے علما و مشائخ و روسا تشریف فرماتے تھے جن میں

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب چھور شریف، ہری پور، مولانا عبدالرحیم چشتی باڈھی مُلی خیلاں ہزارہ، حافظ سراج الدین مکھڈی، (مدفن۔انجرا)، حافظ محمد الدین مالک مطبع مصطفائی، لاہور، مولانا حافظ سید عبدالعزیز پشاور، مولوی محبوب عالم گولڑہ، مولوی عبداللہ جلو ساکن پنڈ خان خیل ہزارہ، مولوی گل محمد سیالوی، مولوی حافظ فضل الدین دھنی، چکوال، مولوی محمد غازی خٹک پٹھان موچی کڑی علاقہ نرڑا (تحصیل جنڈ)، مولوی صوفی عبداللہ ساکن مکھن ہزارہ ثم پشاوری وغیرہ اور بھوئی گاڑ کے حضرت مولانا قاضی امیر حمزہ قریشی صاحب والد مولوی عبدالنبیؔ صاحب، مولانا محمد یوسف قریشی برادر مولوی عبدالنبی صاحب، راجہ نظام الدین خان جد امجد راقم الحروف، ملک بوستان خان گوجر بھوئی گاڑ وغیرہ ۔پیالی میں تھوڑی سی چائے باقی تھی۔ بہت سے حاضرین اس کے واسطے دست دراز ہوئے مگر وہ پیالی حضرت مولانا عبدالنبی صاحب المعروف فقیر صاحب پوہی والہ کے ہاتھ لگی انھوں نے تبرکاً نوش فرمالی۔ص ۱۱۷

حضرات چشتیہ مکھڈ شریف، میرا شریف، گڑھی شریف وغیرہ، حضرت خواجہ مولانا غلام محی الدین مکھڈی، حضرت خواجہ فقیر احمد صاحب میرا شریف اور حضرت خواجہ محمد عبداللہ شاہ گڑھی شریف نمازِ مغرب میں قدرِ تاخیر کے قائل تھے جبکہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ اور اُن کی مسجد کے امام مولانا محمد غازی موچی کڑی غروبِ آفتاب کے فوراً بعد نمازِ مغرب ادا کرنے والے تھے۔اس پر دونوں جانب سے بڑا بحث مباحثہ ہوا۔اس موضوع پر حضرت خواجہ فقیر احمد صاحب میروی نے ''رسالہ فی بیان تحقیق وقتِ مغرب'' لکھااوران حضرات کی ایماپر مولوی قاضی فیض عالم ہزاروی ساکن درویش ہزارہ نے رسالہ ''البراھین القطعیہ فی تعین اوقات المغربیہ'' لکھا۔اس دوران حضرت مولانا عبدالنبی صاحب ایک جامع فتویٰ جس پر علاقہ جات چھچھ، پنج کھٹہ، ہزارہ،

گھیبی، کھاڑی اور نرڑا کے بے شمار علما و مشائخ کے تصدیقی دستخط تھے حضرت پیر صاحب گولڑہ کے پاس لے گئے تھے مگر انھوں نے دیکھ کر قبول نہ کیا بلکہ حضرت پیر صاحب گولڑہ کے ایک ملفوظ نگار نے ملفوظاتِ مہریہ میں اس کو کسی اور انداز سے تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

ایک دن آپ دربار میں تشریف فرما تھے۔ دورانِ گفتگو تاخیرِ صلوٰۃ کا تذکرہ ہوا۔ آپ نے پیر ولایت شاہ صاحب نوشہروی کو فرمایا کہ عرصہ ہوا مکھڈ شریف میں حضراتِ چشتیہ و نقشبندیہ کے درمیان اوقاتِ نماز خصوصاً نمازِ مغرب کے بارہ میں اختلاف واقع ہوا تھا۔ نقشبندیہ نے کہا کہ جو حکم گولڑہ شریف سے آئے گا ہمیں قبول ہوگا۔ لہٰذا تحقیق مسئلہ مذکور اور تصدیق کے لیے مسمی مولوی عبد النبی ہزاروی نے یہاں آکر استفتاء پیش کیا۔ میں نے دیکھا تو اس پر علاقہ جنوبی کے بہت سے علما اور مولوی صاحب کے شیخ اور استاد کی مہریں ثبت تھیں لیکن چونکہ قول ''زیل مردوده کو معمول به'' کہا گیا تھا۔ (مغرب اس وقت ادا کی جائے جب شفق نصف آسمان کو پہنچے) اس لیے میں نے اس کی تصدیق سے معزوری ظاہر کی اور مولوی صاحب کو کہا کہ تم خود عالم ہو اور کتابیں موجود ہیں۔ تحقیق کر لو۔ ص ۳۶۔ ۳۷

سید شاہ حسین گردیزی نے اپنی تصنیف ''تجلیاتِ مہر انور'' میں دو جگہ حضرت مولانا عبد النبی صاحب کا ذکر کیا ہے۔ ص ۱۸۸۔ ۲۴۱

مقصود احمد راہی نے ''تذکرہ اولیائے پوٹھوہار'' جلد دوم میں حضرت خواجہ زین الدین صاحب کے خلفاً و شاگردوں میں آپ کا اسمِ گرامی بھی لکھا ہے۔ جبکہ ''تذکرہ اولیائے پوٹھوہار'' جلد سوم کے ص ۱۷۹ پر آپ کے مختصر احوال تحریر کیے ہیں۔

اپنے وقت کے مشاہیر مشائخ عظام سے قریبی روابط خصوصاً اپنے شیخ الطریقت کے جانشین حضرت خواجہ غلام محی الدین مکھڈی (متوفی ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء) حضرت خواجہ شمس الدین

سیالوی (متوفی ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۱ء) حضرت خواجہ مولانا محمد عبداللہ شاہ گڑھی افغاناں ضلع اٹک، حضرت خواجہ اللہ بخش سجادہ نشین تونسہ شریف، حضرت مولانا غلام محمود اخلاص، حضرت مولانا میاں محمد ملہوالی (پنڈی گھیب) حضرت خواجہ فقیر احمد میرا شریف، حضرت مولانا فیض عالم ہزاروی درویش، حضرت مولانا فیروز الدین پھول دار ہزارہ، حافظ سراج الدین مکھڈی انجراوغیرہ وغیرہ حضرات۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی عبدالحی صاحب (متوفی ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء) کے بقول حضرت خواجہ زین الحق والدین مکھڈی صاحب نے ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالنبی صاحب کو فرمایا کہ مولوی جی صاحب میں نے آپ کو اپنے مشائخ سلسلہ طریقت سے جو کچھ مجھے ملا آپ کو دے کر صاحبِ اجازت وارشاد کیا۔ آپ لوگوں کو بیعت فرمائیں۔ تو حضرت مولانا عبدالنبی صاحب نے اپنے شیخ الطریقت کی خدمت عالیہ میں گزارش کی۔ حضرت غریب نواز میری جان آپ پر قربان۔ اگر میں نے سلسلہ پیری مریدی شروع کر دیا تو میری اولاد میں علم نہیں رہے گا اس لیے گزارش ہے کہ آپ مجھے صرف درس وتدریس کے کام تک ہی محدود رکھیں۔

مولانا عبدالنبی صاحب نے تمام عمر بھوئی گاڑ کے ساتھ ساتھ مکھڈ شریف درس و تدریس کا کام کیا۔ اس کے علاوہ آپ مصنف، مترجم، شاعر اور خوش خط کاتب بھی تھے۔

۸ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ بمطابق ۱۶ مارچ ۱۸۹۴ء کو آپ کا وصال ہوا۔ نماز جنازہ کی امامت آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا قاضی امیر حمزہ صاحب نے کی اور اپنے آبائی گاؤں بھوئی گاڑ میں جو محلہ پنڈ شرقی میں آپ کا خاندانی قبرستان ہے وہاں تدفین ہوئی۔ قبر مبارک مرجع خلائق ہے۔

آپ کی شادی اپنے عم محترم فاضل اجل مولانا قاضی محمد شفیع قریشی کی صاحبزادی بی بی فاطمہ سے ہوئی۔ اولاد میں صرف اکلوتی صاحبزادی بی بی خدیجہ تھیں جن کا عقد اپنے چچازاد حضرت مولانا محمد غوث قریشی بن حضرت مولانا احمد الدین قریشی سے ہوا۔ آپ کی اولاد نہ ہوئی۔ ۱۳۲۵ھ

بمطابق ۱۹۰۷ء کوفوت ہوگئی۔

تصانیف:۔

۱۔ تذکرۃ المحبوب ۔ فارسی، قلمی، صفحات ۲۲۰۔ آپ نے یہ تذکرہ اپنے شیخ الطریقت حضرت زینت الاولیاء زین الحق والدین خواجہ مولانا زین الدین مکھڈی متوفی ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء خلیفہ و جانشین حضرت فخر العاشقین خواجہ مولانا محمد علی قریشی المعروف حضرت مولوی صاحب مکھڈی متوفی ۱۲۵۳/ ۱۸۳۷ء کے احوال، واقعات اور ملفوظات کے ساتھ ساتھ بانی خانقاہ مکھڈ شریف حضرت مولوی صاحب مکھڈی خلیفہ حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان المعروف حضرت پیر پٹھان تونسوی کے احوال اور مولانا محمد علیؒ کا فارسی و پنجابی کلام بھی اس میں محفوظ کیا ہے۔ حضرات مشائخ سلسلہ طریقت حضرت خواجہ شاہ محمد سلمانؒ تونسوی، حضرت خواجہ نور محمدؒ مہاروی اور حضرت خواجہ فخر الدینؒ دہلوی کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ الطریقت کی اولاد و اخلاف کے مختصر احالات قلمبند کیے ہیں یہ کتاب مشائخ سلسلہ چشتیہ مکھڈ شریف کے حالات و واقعات اور ملفوظات پر بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

بقول حضرت مولانا محمد الدین مکھڈی مصنف تذکرۃ الصدیقین، مولوی صاحب کو کمال عقیدت جو کہ تذکرۃ المحبوب کی عبارت سے ٹپک رہی رہے۔ اُن کے کمالِ باطن پر دلیل ہے۔ ص ۳۹۔ اپنے شیخ کی شان میں کئی ابیات بھی لکھے ہیں۔

در لباسِ دوئی نمی آئی	۱	زاں کہ مشہور تر بہ یکتائی
روشن از آفتابِ طلعتِ تو	۲	چہر ہائے بتانِ یغمائی
از جمالت کہ بے مثال آمد	۳	خرم آں دم کہ پردہ بہ کشائی
اندرون و بیرون واز پس وپیش	۴	در چپ وراست زیر و بالائی
دوش گوئندہ ندا میکرد	۵	از دلِ زار صورت شیدائی
کہ بجز ذاتِ پیر نیست کسے	۶	زاں کہ چشمِ ما است ہر جائی

۲۔ رسالہ جواز سماع۔ فارسی۔ قلمی۔ صفحات ۲۰۔ مملوکہ کتب خانہ محمد ناصر گل چشتی (مکھڈ شریف) راقم الحروف نے اس رسالہ کو دیکھنے کے لیے مکھڈ شریف کے متعدد سفر کیے مگر بوجوہ اس نسخہ کی زیارت نہ کر سکا۔

۳۔ حاشیہ بر شرح مراح الارواح، عربی، قلمی صفحات ۱۹۶، مملوکہ حضرت مولانا مفتی عبدالحی قریشی نوراللہ مرقدہ، کتب خانہ ربانیہ، بھوئی گاڑ۔

۴۔ الحاشیہ بر شرح عقائد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، عربی، قلمی صفحات ۱۲۶۔ کتب خانہ مذکورہ۔

....

ماخذ

تذکرۃ المحبوب، مولانا عبدالنبی قریشی بھوئی گاڑ، فارسی، قلمی ۱۳۰۶ھ دست نویس مصنف مملوکہ کتب خانہ ربانیہ، بھوئی گاڑ، مصنف کے برادرزادے حضرت مولانا مفتی عبدالحی قریشی بن حضرت مولانا مفتی غلام ربانی قریشی کی ملکیت ہے۔ خوبصورت جلد بندی اور ہر دو اوراق کے درمیان بٹر پیپر کا اضافہ تھا۔ ۱۹۶۳ء کی نمائش مخطوطات مجلس نوادراتِ علمیہ اٹک منعقدہ اٹک کالج میں شامل تھا۔ میرے ذوق و شوق نسخہ خطی و علاقائی ماخذ کے طور پر بعد ازاں میرے کتب خانہ کی زینت بنا۔ پھر میرے ایک شفیق و مہربان استاد گرامی القدر نے مجھ سے عاریتاً پڑھنے کے لیے لیا اور ضائع کر دیا۔ میرا ذاتی کتب خانہ ایک قیمتی ہیرا سے محروم ہو گیا۔ ۱۹۷۵ء میں، میں نے حضرت مولانا عبدالنبی صاحب کے حوالے سے اس میں موجود حوالہ جات ایک بیاض میں محفوظ کر لیے تھے اور اُن ہی سے استفادہ کر رہا ہوں۔ کتب خانہ زیارت حضرت مولوی صاحب مکھڈ شریف میں اس کے تین قلمی نسخہ موجود ہیں۔ ایک نسخے کی کاپی بذریعہ برادر عزیز ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر صاحب صدر شعبہ اُردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے حاصل کی تھی مگر وہ شکستہ حالت میں ہے۔ کتب خانہ مولوی صاحب مکھڈی کے کتابدار عزیز محترم جناب محمد ساجد نظامی صاحب سے عرض کی ہے کہ ایک خوش خط نسخہ کی فوٹو کاپی عنایت فرمائیں، تاکہ میں تذکرۃ المحبوب میں شامل رجال عظیم پر مزید کام کر سکوں۔

۲۔ خود نوشت، سوانح عمری مولوی نواب خان، اُردو، قلمی، مولوی نواب علی خان جدون ساکن کوٹ نجیب اللہ ضلع ہری پور ہزارہ نے اس کتاب میں اپنی قوم کی ہزارہ میں آمد کی تاریخ، ذکر والدین اور اپنی پیدائش ۱۸۴۸ء سے لے کر ۱۹۱۵ء تک اپنے احوال کے ساتھ ساتھ ہزارہ، اٹک اور راولپنڈی کے علاقوں کے کئی تاریخی واقعات،

علماو مشائخ کے احوال اور حضرت پیر صاحب گولڑہ کی ہزارہ اور بیج کھڈ میں آمد کے واقعات لکھ دیے ہیں۔ کتاب تاریخی ماخذ ہے۔

۳۔ بیاض حضرت مولانا مفتی عبدالحی صاحب، قلمی، اس میں مولانا عبدالنبی صاحب کا شجرہ نسب، تاریخ وفات اور کئی دوسرے خاندانی حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ مسائل، فتویٰ اور طبی نسخے درج کیے ہیں۔ مملوکہ کتب خانہ حضرت مفتی صاحب مرحوم کتب خانہ ربانیہ، بھوئی گاڑ۔

۴۔ بیاض حضرت مولانا عبدالنبی صاحب۔ اُردو، عربی، فارسی، ہندکو، قلمی۔ تاریخی حوالے سے بڑی نادر بیاض تھی۔ افسوس کے میں اپنے بچپن اور کم علمی کی وجہ سے آج سے تقریباً پچاس سال قبل مکمل استفادہ نہ کرسکا اور صرف ایک پنجابی مدح مرشد خود نوٹ کرسکا۔ مملوکہ کتب خانہ مذکور۔

۵۔ بیاض راجہ نور محمد نظامی، اُردو، عربی، فارسی، قلمی، اس میں بھوئی گاڑ کے متعلق تاریخی اور علمی مواد موجود ہے۔ مملوکہ راجہ نور محمد نظامی، بھوئی گاڑ

۶۔ تجلیاتِ مہر انور، شاہ حسین گردیزی، مکتبہ مہریہ، گولڑہ شریف، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

۷۔ ملفوظاتِ مہریہ، مولانا گل فقیر احمد پشاوری، مولانا عبدالحق سرالوی، مترجم فیض احمد، آستانہ عالیہ گولڑہ شریف، ضلع راولپنڈی۔ ۱۹۷۴ء

۸۔ پاکستان میں فارسی ادب، جلد پنجم، ڈاکٹر ظہور الدین احمد، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۹۰ء

۹۔ تذکرہ اولیائے پوٹھوہار، جلد سوم، مقصود احمد راہی، فائیو سٹار پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء

۱۰۔ تذکرۃ الصدیقین، مولانا محمد الدین مکھڈی، فیروز سنز لمٹیڈ، لاہور، س۔ن

۱۱۔ سہ ماہی ''پیغام آشنا''، اسلام آباد، شمارہ ۲۱، اپریل جون ۲۰۰۵ء

۱۲۔ سہ ماہی ''شناسا'' حسن ابدال۔ جلد دوم، شمارہ ۱، اپریل، جون ۲۰۱۰ء

۱۳۔ ماہنامہ ''انوار قمر'' کراچی

☆☆☆☆☆

سجادہ نشینانِ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی

(۴) حضرت مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی

محمد ساجد نظامی

ابتدائی حالات: آپؒ کا اسمِ گرامی محمد احمد الدینؒ ابن غلام محی الدین احمدؒ ابن میاں محمد ابن حافظ محمد محسنؒ ابن مولانا ابراہیمؒ ہے۔ ولادت مبارک ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء کو مکھڈ شریف میں ہوئی۔ آپؒ کی والدہ ڈھوک لام (کھڑپہ، تحصیل پنڈی گھیب) کی رہنے والی تھیں۔ آپؒ کے دو بھائی تھے۔

۱۔ مولانا محمد الدینؒ (م۔۱۹۷۵ء۔ مدفن۔ مکھڈ شریف (اٹک)

۲۔ مولانا غلام زین الدینؒ (م۔۱۹۷۸ء۔ مدفن، ٹبہ شریف، ترگ (میانوالی)

آپؒ کی دو ہمشیرہ کی شادیاں تونسہ مقدسہ میں ہوئیں۔ ایک کی شادی حضرت خواجہ غلام مرتضٰی تونسویؒ اور دوسری کی حضرت خواجہ غلام مجتبیٰؒ کے ساتھ ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم اور چچا حضرت مولانا شمس الدینؒ مکھڈی (م۔۱۹۱۲ء) سے حاصل کی۔ ہم درس دوستوں میں حضرت مولانا گل شیرؒ (ملھووالی) اور محمد ہاشم قریشی (تراپ) کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ آپؒ نے ۶ ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔

ازدواج و اولادِ اطہار: آپؒ نے دو شادیاں کیں۔ ایک للیانی شریف (سرگودھا) سے حافظ میاں غلام رسولؒ کی صاحبزادی کرامت بی بی سے ہوئی۔ دوسری میرا شریف (پنڈی گھیب۔ اٹک) حضرت فقیر عبداللہؒ کی ہمشیرہ سے ہوئی۔

پہلی شادی سے دو صاحبزادے تولد ہوئے۔

۱۔ حضرت مولانا شرف الدینؒ چشتی (۱۳ سال کی عمر میں للیانی شریف میں وصال ہوا وہیں مدفون ہیں)

۲۔ حضرت مولانا فضل الدینؒ چشتی (پانچویں سجادہ نشین، خانقاہ معلی حضرت مولانا محمد علی مکھڈی۔م۔۲۔شعبان، ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء)

اور ایک صاحبزادی صغریٰ بی بی اللہ رب العزت نے عطا کی، جو بچپن میں وصال فرما گئیں۔

دوسری شادی سے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ تیسرے صاحبزادے فوت شدہ مختون تھے۔ بڑے صاحزادوں کے اسمائے گرامی۔

۱۔ حضرت مولانا شرف الدین مدظلہ العالی

۲۔ حضرت مولانا محمد علیؒ (م۔۲۲ شوال ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۲۰۱۱ء)

اس وقت آپؒ کی دوسری شادی سے ایک صاحبزادے حیات ہیں۔ حضرت مولانا شرف الدین مدظلہ العالی۔ اللہ رب العزت انھیں عمر خضر عطا کرے۔

اسفار: چونکہ آپؒ کا عہد مسلم امہ کے زوال کا عہد ہے اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمان تو فرنگی حکمرانوں کے زیرنگیں زندگی گزار رہے تھے۔ یہ بات آپ کو ہمیشہ گراں گزرتی۔ مسلمانوں کی آزادی کے لیے آپ نے عملاً جہاد میں حصہ لیا۔ اس مقصد کے لیے افغانستان، بخارا تک کا سفر فرمایا۔ افغانستان کے سفر میں عبیداللہ سندھی بھی آپ کے ہم سفر رہے۔ یہ سفر آپ نے پیدل فرمایا۔ والدِ مکرم جناب حضرت مولانا فتح الدین چشتی مدالظلہ العالی فرماتے ہیں" دادا حضور سفر افغانستان کے بارے میں بتاتے کہ راستہ میں اتنے اونچے اونچے پہاڑوں سے سامنا ہوا کہ صبح پہاڑ پر چڑھنا شروع کرتے اور چوٹی تک پہنچتے شام ہو جاتی۔ رات وہیں آرام فرماتے۔ صبح جب روشنی پھیل جاتی تو دوبارہ سفر شروع کر دیتے۔" افغانستان میں آپ کی ملاقات وہاں کے صدر امیر امان اللہ سے بھی ہوئی۔ فرماتے تھے ایک دن مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے گئے تو امیر امان اللہ اپنے محافظ سپاہیوں کے ساتھ مسجد میں آیا۔ انھوں نے سروں پر سبز ٹوپیاں رکھی ہوئی تھیں۔ نماز سے پہلے انھیں اتارا تو نیچے سفید ٹوپیاں پہنے تھے۔ امیر امان اللہ نے خود جمعہ کا خطبہ پڑھا پھر نماز کی امامت کی۔ دادا حضور فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں کے سامنے صحابہ کرامؓ کے عہد کا منظر گھوم گیا۔

نماز کی ادائیگی کے بعد میں بے اختیار امیر امان اللہ سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگ گیا۔" جب حضرت غلام محی الدین احمدؒ کا ۱۹۲۰ء میں وصال ہوا تو آپ افغانستان ہی میں تھے۔ ایک تاجر پراچہ کے ذریعے آپ کو اپنے والدِ مکرم کے وصال کی خبر پہنچی۔ اُس وقت آپ کا ایک بازو بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ دورانِ سفر کسی حادثے میں یہ تکلیف پہنچی۔ آپؒ فوراً اپنے آبائی گاؤں مکھڈ شریف واپس آئے اور خانقاہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ براہوئے۔ ان اسفار کے علاوہ دہلی میں مولانا محمد علی اور شوکت علی سے ملنے کئی بار تشریف لے گئے۔ [ان اسفار کا مقصد احیائے اسلام تھا اگر چہ ان تحریکوں کے سربراہان کسی اور کے اشارے پر کام کر رہے تھے۔] اس کے علاوہ رام پور اور حجازِ مقدس کی طرف بھی عازمِ سفر ہوئے۔ دو بار حج کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی۔ پہلی بار ۱۹۲۵ء میں جب آپؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد فضل الدین چشتیؒ (م۔۲۔شعبان، ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء) بھی اپنی والدہ کے ساتھ تھے۔ اور دوسری بار حضرت خواجہ محمود غریب نواز کے صاحبزادے حضرت خواجہ قطبؒ کی معیت میں ۱۹۵۵ء میں حجازِ مقدس کا سفر نصیب ہوا۔ اس بار اہلِ خانہ کے ساتھ تھے۔ کراچی سے بحری سفر فرمایا۔

بیعت و خلافت: آپؒ کی بیعت حضرت خواجہ اللہ بخش کریم تونسویؒ سے تھی۔ اور خلافت آپؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمود غریب نوازؒ سے ملی۔ اپنے والدِ مکرم حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ کے وصال کے بعد سجادگی کا حکم بھی حضرت خواجہ محمود غریب نوازؒ نے فرمایا۔

معمولات: آپؒ کے شاگرد اور مرید خاص مولوی غلام محی الدین (جو ۱۹۲۹ء سے مکھڈ شریف میں خانقاہ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی میں قیام پذیر ہیں) کے بقول آپؒ فرماتے کہ کتب خانہ کی کتب کا کئی بار مطالعہ فرمایا۔ آپؒ کا معمول تھا کہ زیادہ وقت کتب خانہ میں گزارتے۔ مہمانوں اور عقیدت مندوں سے ملاقات بھی وہیں فرماتے۔

مطالعہ کتب ہمیشہ آپ کا مشغلہ رہا۔ ہندوستان بھر کے مختلف پبلشروں کے نام مکتوبات کتب کی فراہمی کے لیے خود بھی لکھتے۔ بعد میں شاگردوں سے بھی خطوط لکھوا کر کتابیں

منگواتے۔

عمر بھر مسلمانوں کی علمی و سیاسی بہتری اور برتری کے لیے کوشاں رہے۔ مکھڈ میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی ترویج کے لیے عملی کوششیں کیں۔ سب سے پہلا پرائمری سکول جو اپریل ۱۹۱۷ء میں مکھڈ شریف میں قائم ہوا۔ اس کے بنیاد گران میں آپ کا اسم گرامی شامل ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اسے ہائی کا درجہ دلوانے کے لیے آپ نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

قیامِ پاکستان کی تحریک میں بھی پیش پیش رہے لیکن کبھی کسی عہدے کے حصول کے لیے کوشش نہیں کی۔ جناب مولوی غلام محی الدین کے بقول ''محمد علی جناح جب گورنر بنے تو انھوں نے آپ کو بھی بلوا بھیجا تا کہ اپنی کابینہ میں شامل کرے لیکن آپ نے اسے پسند نہ فرمایا اور انکار کر دیا۔ اپنے بھائی صاحبان اور دیگر ہم خیال ساتھوں سے مل کر ''فوجِ محمدی'' کی بنا رکھی۔ اس کے اجلاس مختلف اوقات میں مختلف شہروں میں منعقد ہوتے۔ جس میں ملک کے مقتدر علما و فضلا شامل ہوتے۔ اس جماعت کا مقصد احیائے اسلام تھا اور مقامی مسلمانوں کے اندر اسلامی نظامِ معاشرت کے کاوشیں شامل تھی۔ اصلاحی جماعت ''فوجِ محمدی'' کے اجلاسوں کی کاروائی پندرہ روزہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ سے شائع ہوتی رہیں۔ ''تاریخِ بگویہ'' میں ڈاکٹر انوار احمد نے بھی ان اجلاسوں کی کاروائی کو شامل کیا ہے۔ مولانا محمد احمد الدینؒ بھی ''شمس الاسلام'' میں اصلاحی حوالے سے مضامین لکھتے تھے۔

تحریکِ پاکستان میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ خاکسار تحریک کے ساتھ بھی شامل رہے۔ ایک عرصہ تک جماعت اسلامی کا ساتھ بھی پاکستان میں اسلامی نظام کے احیا کے لیے دیا۔ ملکِ پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے احیا کے لیے کسی فرد یا تحریک نے آواز اٹھائی تو آپ نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔

وصال مبارک: آپؒ کا وصال مبارک بروز ہفتہ، ۳ جمادی الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۶۹ء کو مکھڈ شریف میں ہوا۔ دو دفعہ آپؒ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ پہلی بار آپؒ کے چھو

ئے بھائی حضرت مولانا محمد الدین ؒ مکھڈی کی امامت میں ادا کی گئی۔ دوسری نمازِ جنازہ آپؒ کے پوتے حضرت مولانا فتح الدین مدظلہ العالی نے پڑھائی۔ چونکہ وہ مہار شریف (چشتیاں) میں موجود تھے جب یہ جانکاہ خبر پہنچی۔ آپ تشریف لائے تو جنازہ ہو چکا تھا۔ آپؒ کے علاوہ بھی بڑی تعداد میں عقیدت مند حضرات جنازہ میں نہ پہنچ سکے تھے۔ وہ یہ سعادتِ عظمیٰ ان کے ہاتھ آئی کہ اس مرد قلندر کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپؒ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے روضۂ پاک کے شرقی جانب آسودۂ خاک ہیں۔ لوحِ مزار پر قطعہ تاریخ وصال یوں درج ہے۔

اسمِ پاکش بود احمدیں بود او شیخِ وقت
گفت ہاتف حامدی بے گماں بہشت رفت

۱۳۸۹ھ

وادریغا حسرتا از دیدہ خون آمد بیروں	کرد وحلت آں مولائے وقت از دنیائے دوں
روزِ شینہ بوقتِ عصر آں یکتائے دہر	سوم از ماہِ جمادی الاوّلین الشہر شہر

☆☆☆☆☆

جنگ نامہ منسوب بہ قاسم نامہ

مولانا شمس الدین اخلاصیؒ

در ثنائے آں بیچوں کہ چشمۂ آفتاب از دریائے جمال او یک نم است چکیدہ و از لایعلمه الا هو پردہٗ یست برخود کشیدہ و کریم عمیم الاحسان کہ مخلوقات گونا گوں برخوان تنعم بوقلمونش روزی خورانند و اگر بشکر یک لقمہ عمرت گذارند باتمامش نسپارند۔

ثنای خداوند گویم نخست	۲۳	کہ تا زد سرنامہ باشد درست
ثنا کش زِ صبحِ ازل شد طلوع	۲۴	بشامِ ابد زو شعاع شموع
بدر بار معبود مطلق نثار	۲۵	خداوند برحق جہاں کردگار
مبّرا بذات آمد از چون و چند	۲۶	منزّہ تر از قولِ پست و بلند
بلندان و پستانِ عالم تمام	۲۷	زِ هستیِ مطلق همہ هست نام
زِ فکرِ خرد پرورانِ پیشتر	۲۸	ازو هم فراسنگرانِ بیشتر
زبان است حیراں کہ چوں خواندش	۲۹	بود دل پریشاں کہ چوں راندش
کجا زهرہ مردِ خرد پیشہ را	۳۰	کہ راند دریں راہِ اندیشہ را
بدینجا رسد فکرتِ مردے	۳۱	چو زیں بگورد هست نا محرمے
کسانیکہ زو گفتگو راندہ اند	۳۲	زِ ادراکِ او دور تر ماندہ اند
زِ اسپ علل در رهش سُم فتاد	۳۳	کہ معلول و علت دَرُوْ گم فتاد
نیابد کسے راہِ تحقیقِ او	۳۴	مگر چوں دهد دستِ توفیقِ او
مرا کامدہ نیست هستی تمام	۳۵	ندانم کہ بے نیت هستی کدام

کسے را ز ہستی نباشد خبر ۳۶ کہ از ہستیِ خود ندارد گذر

ثبات آمدش باصفات احد ۳۷ بقایش بود با بقائے ابد

جز او کس نبو دست در ابتدا ۳۸ نماند جز او ہیچ در انتہاء

حدوثات راباازل نیست کار ۳۹ فنا را بسوئی ابد نیست بار

وجودی بری از یکے و دوئی ۴۰ سر آوردہ از کسوتِ ما توئی

زِنام ونشاں ہستیش بےنشاں ۴۱ بلند آمد از حدِ علم و بیاں

بہر ذرّہ با آنکہ ساری بود ۴۲ زِ جملہ صور نیز عاری بود

نحست آمدہ موج ازاں پاک ذات ۴۳ بخود بر بہ اسماء و جملہ صفات

ہماں ذات راباصفات ونعوت ۴۴ چو در رتبہ علمی آمد ثبوت

زِخود بیش وکم آمدش درنظر ۴۵ حقائق شد از بہرِ عالم صور

دریں کارگہ کیست کارد ندا ۴۶ کہ ملک از پئے کیست اِلّا خدا

ہمہ بل کسانیکہ در عالم اند ۴۷ بہنگامِ صیت جلال ابکم اند

زِ نادانی خود ملائک بشرم ۴۸ بحیرانی افلاک را پائے گرم

چوسر برزدہ امرش ازکاف ونون ۴۹ زِکتم عدم عالم آمد بروں

سرا پردۂ ، نہ فلک در ہوا ۵۰ بکارِ دگر ہر یکے شد بپا

بآمیزشِ خشک وترم گرم وسرد ۵۱ سہ گانہ موالید سر باز کرد

بہ انجم فلک چہرہ افروختہ ۵۲ بمردم زمیں زینت اندوختہ

دُرِ آدم از قطرۂ رُو کشاد ۵۳ بیک قطرہ نہ بحرِ نادر فتاد

زِ تعلیم اسما بمکتب رساند ۵۴ کشیدہ صفی گرُد بر گردِ او

رُخش مطلع بہرِ نورِ شہود ۵۵ ازاں رُو ملائک نمودش سجود

ہمہ ساجداں خلعتی یافتند ۵۶ ازاں سجدہ بس عزتی یافتند

رُخ آنکہ ازسجدہ اش دور ماند ۵۷ چو دیجور شب تیرہ بے نور ماند

بگردن بر از لعن طوقش رسید	۵۸	ز سرحد ملکوت گشتہ مرید
بہ آدم از و چشمِ زخمی رسید	۵۹	ز عصیانش بر فرق گردارمید
بہشتے لباس از تنش ماند دور	۶۰	ملائک ز خدمت شدندش نفور
زِ تقدیرِ پاکِ جہاں آفرین	۶۱	گہے آنچناں آید و گہ چنین
بہردم زِ پُرکارِ گرداں سپہر	۶۲	جہاں را دہد نو بنو رنگِ چہر
کند شاخ و دیوار و در ہائی باغ	۶۳	گہے جائے بلبل گہے جائے زاغ
گہے شاد از و طبع بینندگاں	۶۴	گہے دل ملولش نشیندگاں
بیک دم کہ ستار و غفار ہست	۶۵	دمے باز قہار و جبار ہست
بہ آدم رہِ سیرِ جنت بہ بست	۶۶	چو بر فرق او گردِ ذلت نشست
کرم پیشہ چوں پاک رحمٰں نمود	۶۷	نبی نوح ملاح طوفاں نمود
بہر دم کہ گردندہ گردوں بود	۶۸	طرازی و رنگے دگرگوں بود
بسا مقبل آورد گردوں زِ تخت	۶۹	بس افتادہ راطبل کوب ست بخت
یکے را بسر لشکر آرد اجل	۷۰	یکے بال فارغ بطولِ امل
بریں کاخِ مینا بیفگن نظر	۷۱	در و شمع ہا نور افشاں نگر
شدہ از یکے گرم بازارِ روز	۷۲	یکے بہرِ شب گشتہ رونق فروز
یکے سوئے مشرق نمودہ شتاب	۷۳	بہ مغرب یکے کردہ کشتی بر آب
بہ یکدم نہ از جنبش آرامِ شاں	۷۴	کسے مطلع نیست برکامِ شاں
نمایندگاں تازہ تر نقش و نور	۷۵	ہم اَز بَستَن نقش دُوراند و دور
ہمہ نقش ہا را خدا آفرید	۷۶	بدستِ دگر کس ندادہ کلید
بہردم چو بینی عجائب نگار	۷۷	چرا غافلے از غرائب نگار
اگر نقش دیدے بہ نقاش رو	۷۸	بنا دیدۂ سوئے بنا گرو
بہر کار باریک باید نظر	۷۹	کہ بر داری اندازۂ کارگر
ہمون ست چارہ گرِ کارِ ما	۸۰	بہرکارِ یارو مدگارِ ما

بہ ما ہرچہ انعام کرد آشکار ۸۱ نیارد کسے کاورد در شمار

زمین سفرۂ عام گسترده است ۸۲ شکم دشمن و دوست پُر کرده است

اگر مور و ماہی ور انسان و دد ۸۳ مقرر نصیبے بہر یک رسد

کسے نیست از رزق خواراں تمام ۸۴ کہ رزقے نیابد بہر صبح و شام

گراز رزق یک چند دستے کشد ۸۵ کہ یارد کہ یک قطرہ آبے چشد

زہے منعم و عام انعام او ۸۶ بہر خویش و بیگانہ اکرام او

نباشد کسے چست و چالاک تر ۸۷ کہ از عہدۂ شکرش آید بدر

اگرچہ کہ از عمر خود سر بسر ۸۸ بشکرِ یکے نعمت آرد بسر

ہماں بہ کہ از عذر تقصیر خویش ۸۹ بہر نعمتے وِرد گیریم پیش

ز شکریکہ ناکامل واقصر است ۹۰ بہ عجز خود اقرار بس خوشتر است

----------جاری

☆☆☆

تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی

علامہ حافظ محمد اسلم ☆

جس طرح بحرالعلوم، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ علوم ظاہری وباطنی میں بے مثل و بے مثال تھے اس طرح آپ کی مسندِ ارشاد و تدریس پر متمکن ہونے والے حضرات بھی بے مثال تھے۔ آپ کا گلشن علمیہ اپنے وقت میں افغانستان، قندھار اور بخارا تا دہلی دینی طلبا کے لیے متعدد وجوہات کی بنا پر مرکزِ توجہ بنا رہا۔ بہ گمانِ غالب ایک وجہ تو اس وقت قلتِ کتب تھی اور آپ کا کتب خانہ کتبِ درسیہ اور غیر درسیہ سے بحر بے کنار تھا۔ علاوہ ازیں آپ کے مدرسہ میں اپنے وقت کے جید علمائے کرام سلسلۂ درس وتدریس کے لیے یہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ کی درس گاہ میں جو حضرات، علمی جواہر بکھیرتے رہے ان کے اسما گرامی کا احاطہ من کل الوجوہ تو مشکل ہے لیکن چند ایک کا تذکرہ اور اسمائے گرامی اور ان کے احوال و آثار پیشِ نظر تحریر میں قسط وار فرمائش محمد ساجد نظامی لانے کی کوشش کی جائے گی ۔

اساتذہ کرام کے اسما:

علامہ حافظ غلام محمود پیلانوی، علامہ قطب الدین غور غشتی ، علامہ فرید الدین بھوئی گاڑوی، علامہ محب النبی بھوئی گاڑوی، علامہ عبدالحی بھوئی گاڑوی، علامہ امام غزالی، ٹمن (تلہ گنگ)، علامہ غلام رسول لوٹیری ، علامہ محمد سعید، ٹمن (تلہ گنگ)، علامہ نور محمد، ملھوالی (پنڈی گھیب)، علامہ عبداللہ گلیالوی (جنڈ)، علامہ نواب علی، مگھیاں (پنڈی گھیب)، علامہ عبدالحق صاحب بندیالوی (خوشاب)، علامہ عبدالحق، غور غشتی، رئیس المتکلمین، استادالکل علامہ حافظ عطا محمد بندیالوی، شیخ الحدیث علامہ عبدالرؤف ہزاروی، مولانا نصیر الدین جسیالوی، شیخ الفقہ علامہ سکندر خان ہزاروی، استاذ العلماء علامہ خورشید صاحب لنگڑیالوی (پنڈی گھیب)، استاذ الاولیاء

☆ مدرس درس نظامی خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی

عبد القدوس چھاچھی، علامہ حسن دین اخلاصی، استاذ الحفاظ محمد حسن خودزئی، استاذ الحفاظ علامہ حافظ عبد الغفور لنگڑیالوی، استاذ القرأ حافظ قمر الدین چکڑالوی، یہ حضرات مولانا صاحب کے چشمۂ فیضان کو عام کرنے کے لیے یہاں تشریف لاتے رہے اور مسندِ تدریس کی زینت بنتے رہے۔

ان حضرات میں سے اول المرقوم عالم دین کا تعلق وانڈا محمد خان پیلاں ضلع میانوالی سے ہے۔ آپ ۱۸۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ علامہ موصوف نے ابتدائی کتب فارسی مع صرف ونحو فاضل اجل علامہ سلطان محمود نامی سے پڑھیں (یاد رہے کہ علامہ نامی زینت الاولیاً علامہ محمد زین الدین مکھڈی کے مرید خاص تھے)۔ اس کے بعد آپ مزید حصول علم کے لیے جامعہ نعمانیہ، لاہور چلے گئے۔ آپ نے درس حدیث مدرسہ دیوبند میں مولوی محمود الحسن سے لیا۔ مولوی انور شاہ کشمیری مولانا پپلانوی کے ہم سبق تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو صحیح العقیدگی پر قائم رکھا جیسا کہ علامہ غلام مہر علی نے ذکر فرمایا ہے۔ پھر آپ فراغتِ حدیث کے بعد مختلف مقامات پر تدریس فرماتے رہے۔ بعدازاں آپ تین سال تک آستانہ عالیہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کی درس گاہ میں مدرس رہے۔ وہ دور، رئیس المتوکلین خواجہ غلام محی الدین احمد کی سجادہ نشینی کا تھا۔ اہل علم حضرات اچھی طرح آشنا ہیں کہ خواجہ صاحب خود بھی علمِ شریعت اور طریقت کے بادشاہ تھے۔ شاید کہ آپ نے ضعفِ عمری یا ضعفِ دید کی بناء پر علامہ پپلانوی کو مدعو کیا ہوگا۔ وگرنہ آپ تمام علوم وفنون خاص کر حدیث شریف پڑھانے کا اعلیٰ ملکہ رکھتے تھے بقول حضرت مولوی غلام محی الدین جو حضرت مولانا احمد دین کے مرید خاص ہیں فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک طالب علم بخارا سے بخاری شریف پڑھنے کے لیے حاضر ہوا۔ اور اس نے اس سے قبل بھی تین مرتبہ بخاری شریف پڑھی ہوئی تھی۔ لیکن یہاں اطمینانِ قلب کے لیے آپ کے حلقۂ درس میں بیٹھ گیا۔ جب خواجہ صاحب نے پہلی حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' پر بحث فرمائی تو وہ طالبِ علم خوشی کے عالم میں کہنے لگا کہ میں نے اگرچہ اس سے قبل بھی یہ حدیث پڑھی ہوئی تھی لیکن جو اطمینانِ قلب آج ہوا ہے وہ اس سے پہلے کبھی بھی حاصل نہ ہوا تھا۔ ''سبحان اللہ'' غالباً امام غزالیؒ نے ایسے نفوسِ قدسیہ کے لیے فرمایا

تھا۔''انهم مکتسبون من المشکوٰۃ النبوۃ'' بہرصورت مولانا پپلانوی یہاں تین سال کے عرصہ میں زیادہ تر علم نحو اور علم منطق وغیرہ کا درس دیتے رہے اور یہ بھی خیال رہے کہ مولانا موصوف زمانہ تدریس سے قبل بھی مکھڈ شریف ایک، دو مرتبہ حاضر ہوئے تھے جیسا کہ آپ نے اپنی مشہور تصنیف ''نجم الرحمٰن'' میں اس کا تذکرہ فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ ''شرح مقاصد'' جس کی عبارت کی زیارت کے لیے بندہ نے مکھڈ شریف کا سفر اختیار کیا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ مکھڈ شریف کے علمی اور روحانی ماحول سے پہلے بھی آشنا تھے۔ جن حضرات نے آپؒ سے مکھڈ شریف میں استفادہ کیا۔ ان کے اسمائے نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ ان مستفدین کا تعلق افغانستان، بخارا وغیرہ کے ساتھ تھا۔ اس مقام کے علاوہ علامہ موصوف سے اکتساب فیض فرمانے والے حضرات میں سے استاذ الکل علامہ عطا محمد بندیالویؒ اور علامہ سلطان اعظمؒ چھپڑ شریف اور پیر کرم شاہؒ وغیرہ کے اسما مشہور و معروف ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے ''تحفہ سلیمانی'' جو کہ ''تکملہ عبد الغفور'' کا عربی حاشیہ ہے جس کو آپ نے غوثِ زماں حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کی طرف منسوب کیا اور ''نجم الرحمٰن'' جو کہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ اور مولوی حسین علی واں بھچروی کے مابین مناظرہ علم غیب کے بعد آپ نے تصنیف فرمائی اور ''ارمغانِ شادان'' جو فارسی گرائمر پر لاجواب کتاب ہے تصنیف فرمائی۔ ان کے علاوہ بھی علم ریاضی وغیرہ پر آپ کی تصانیف ہیں۔

ماخذ اور مراجع

۱۔ صد سالہ تاریخ دار العلوم محمودیہ

۲۔ یواقیت مہریہ

۳۔ نجم الرحمٰن

۴۔ تذکرہ اولیائے میانوالی

۵۔ تذکرہ علمائے پنجاب

مسجد اندر کوٹ فتح جنگ

عشرت حیات خان ☆

فتح جنگ ضلع اٹک کی قدیم تحصیل ہے۔ فتح جنگ ایک قدیم آبادی ہے۔ فتح جنگ شہر کا سب سے قدیم محلہ اِندر کوٹ ہے، جسے اب اُندر کوٹ کہا جاتا ہے۔ اسی محلہ میں واقع مسجد اندر کوٹ شہر کی سب سے قدیم مسجد ہے۔ شہر کو ہندو راجہ اِندر نے آباد کیا تھا۔ راجہ اِندر نے یہاں ایک چھوٹا سا قلعہ تعمیر کروایا جس کو راجہ اِندر کے نام کی مناسبت سے اِندر کوٹ کہا جاتا ہے۔ یہی فتح جنگ کا قدیم نام تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق شہر کا پرانا نام ''سندر راکھی'' تھا۔ موجودہ نام فتح جنگ، شہر میں آباد ایک معروف قبیلہ کے جدِ امجد کے نام پر ہے۔ جن کا نام ''فتح جنگ'' خان تھا۔ ان کی قبر آج بھی قبرستان بابا ابراہیم والی بَن میں موجود ہے۔

مسجد اِندر کوٹ قدیم طرزِ تعمیر کا ایک نادر شاہکار ہے جو محکمہ آثارِ قدیمہ کی عدم توجہی اور روایتی بے حسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہ شاندار مسجد ایک بلند چبوترے، پر تعمیر کی گئی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں پتھر، چونہ گچ اور چھوٹی اینٹ استعمال کی گئی ہے۔ مسجد کے طرزِ تعمیر سے اب بات کے شواہد ملتے ہیں کہ کسی دور میں اس مسجد کے تین گنبد تھے۔ گنبدوں کی اندرونی سطح اور مسجد کی دیواروں پر ''غالب کاری'' کا خوب صورت کام کیا گیا ہے۔ یہ دیواریں اور گنبدوں کا اندرونی حصہ خوب صورت نقش و نگار سے مزین کیا گیا ہے۔

مسجد ایک ہی ایوان پر مشتمل ہے۔ مسجد کے چھت پر جانے کے لیے قدیم دور کی تنگ و تاریک سیڑھیاں ہیں۔

☆ ماہر مضمون تاریخ، گورنمنٹ ہائیر سکنڈری سکول، ملال (تحصیل فتح جنگ، ضلع اٹک)

محراب کے اوپر ایک کتبہ لگا ہے۔ اس میں کلمہ طیبہ لکھا گیا ہے۔ کلمہ طیبہ کے دونوں جانب ''یا اللہ'' لکھا ہوا ہے اور نیچے فارسی کی درج ذیل شعر ہے۔

چراغ مسجد و محراب و منبر

ابوبکر و عمر عثمان و حیدر

اس کتبہ میں مسجد کے معمار کا نام بھی درج ذیل ہے۔ ''محمد علی ولد عبدالرحیم خان ساکن حسن ابدال، میرا خیال یہ ہے اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتبہ کو اصل کتبہ کی جگہ لگایا گیا ہے۔

محراب کے دونوں جانب، دو، دو طاقچے بنے ہوئے ہیں۔ کسی دور میں مسجد کے سامنے والی دیوار پر سیاہی سے مختلف تحریریں زیادہ تر عربی اور فارسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ سب سے پرانی تاریخ اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط کی ہے۔

مسجد کا اصل دروازہ شمال کی طرف ہے۔ ایک مرتبہ مسجد کی تعمیر کے لیے کھدائی کی گئی و مسجد میں کسی تہہ دل خانے یا سونگ کے آثار ملے۔ بعض میں ان کو بند کر دیا گیا۔

عام روایت یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر شیر شاہ سوری کے عہد میں ہوئی۔ مسجد کے طرز تعمیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر عہد مغلیہ کے آخری دور میں کی گئی۔

اس مسجد کی اہم بات یہ ہے کہ اس کی ابتدائی تعمیر میں مینار نہیں تھے۔ بلکہ گنبد تھے۔

دور حاضر میں مسجد میں مدرسہ قائم ہے۔ مسجد کو اندر سے بھی سفید رنگ کر دیا گیا ہے۔ جس سے پرانے نقش نگار معدوم ہو گئے ہیں۔

☆☆☆☆

پیغامِ اقبال

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

دیدہ ام روزِ جہانِ چار سُو — آنکہ نورش بر فروزد کاخ و کو

از رمِ سیارہ او را وجود — نیست اِلاّ اینکہ گوئی رفت و بود

اے خوش آں روزے کہ از ایام نیست — صبحِ او را نیمروز و شام نیست

روشن از نورشِ اگر گردد رواں — صوت را چوں رنگ دیدن می تواں

غیب ہا از تابِ او گردد حضور — نوبتِ او لا یزال و بے مرور!

اے خدا روزی کُن آں روزے مرا
وا رہاں زیں روزِ بے سوزے مرا

ترجمہ و تشریح: یوسف سلیم چشتی

کہتے ہیں کہ میں اُس یوم سے تو واقف ہوں جس کے بدولت دنیا میں کاخ و کو، محلات اور کوچے منور ہو جاتے ہیں یعنی وہ روز جس کا وجود گردشِ زمین پر موقوف ہے۔ لیکن میں اُس (روز) کا آرزومند ہوں (یعنی اُس زندگی کا طالب ہوں) جس کا تعلق گردشِ زمین یا اجرام سماوی سے

نہیں ہے اس کی صفات حسب ذیل ہیں۔

(ا) وہ روز یا یوم بظاہر یوم ہے یعنی رسماً اس پر بھی یوم کا اطلاق ہوتا ہے مگر در حقیقت وہ ایام (تسلسلِ زمانہ) سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ محض مشارکتِ اسمی ہے۔ نام اُس کا بھی یوم یا روز ہی ہے مگر اُسے معروف زمان و مکان سے کوئی علاقہ یا نسبت نہیں ہے۔

(ب) اسی لیے اُس دن کی صبح ایسی ہے کہ نہ اس کی دو پہر ہے نہ شام، بالفاظ دگر وہ دن ایسا ہے کہ اُس کا وجود گردشِ زمین پر موقوف نہیں ہے۔ اسی لیے نہ اس میں صبح ہوتی ہے نہ شام۔ وہ زماں تو ہے مگر تسلسلِ زماں نہیں ہے اس میں نہ کل ہے نہ آج، نہ گذشتہ ہے نہ آئندہ۔

(ج) اگر اُس "یوم" کے نور سے روحِ انسانی منور ہو جائے یعنی اگر انسان اُس زمانہ میں زندگی بسر کر سکے تو اس میں یہ طاقت پیدا ہو جائے گی کہ وہ آوازوں کو بھی اسی طرح دیکھ سکے گا جس طرح رنگوں کو دیکھتا ہے یعنی اُس کے حواس خمسہ میں انقلابِ عظیم پیدا ہو جائے گا۔

بظاہر یہ بات خلافِ عقل ہے کہ انسان آواز کو دیکھ سکے لیکن اگر کوئی شخص اُس غیر مادی "روز" میں زندگی بسر کر سکے تو وہ فوق الفطرت طاقتوں کا مالک ہو جائے گا اور اس کے لیے وہ باتیں ممکن ہو جائیں گی جو ہمارے لیے ناممکن ہیں۔

(د) اُس "روز" میں یہ خاصیت ہے کہ اس کی روشنی سے غیب، حضور میں تبدیل ہو جاتا ہے یعنی انسان مغیبات پر مطلع ہو سکتا ہے یا صاف لفظوں میں یوں سمجھوں کہ عالم الغیب ہو سکتا ہے اور یہ خدا کی صفت ہے یعنی اس میں بھی خدائی صفات پیدا ہو سکتی ہے۔

(ہ) اُس "روز" کی نوبت (عرصہ، زمانہ، وقت، مدت، تغیر، انقلاب، تحول، گردش، وقفہ) ایسی ہے کہ ہ اسے زوال ہے اور نہ اس میں بہاؤ یا گذرنے کی صفت ہے یعنی "الآن کما کان" کی کفیت ہے۔ اس لیے جو شخص اُس زمانے میں زندگی بسر کرے گا وہ بھی لازوال ہو جائے گا یعنی جب وہ تسلسلِ زمانہ پر غالب آجائے گا اور اُس "زمانِ بے مرور" میں زندگی بسر کرے گا تو موت سے بالاتر ہو جائے گا۔

قسط۔۔۔۔۲

مسائلِ وضو

حضرت علامہ صاحبزادہ بشیر احمد☆

وضو سے قبل بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت:

عن ابی ھریرۃؓ قال رسول اللہ ﷺ لا صلوۃ لمن لا وضوء ولا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ تعالی علیہ. (ابوداؤد)

ترجمہ: ابوھریرہؓ سے مروی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا وضو نہیں اس کی نماز صحیح نہیں ہے اور جس شخص نے وضو کی ابتدا میں بسم اللہ نہیں پڑھا، اس کا وضو مکمل نہیں۔

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے جو فرمایا کہ جس نے وضو کے ابتدا میں بسم اللہ نہیں پڑھا اس کا وضو صحیح نہیں ہے۔فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نفی کمال کی ہے۔اور **لا وضوء کاملا فی الثواب** یعنی ابتدا میں بسم اللہ نہ پڑھنے سے ثواب میں کمی آجائے گی۔پورا ثواب نہیں ملے گا۔اگر چہ وضو صحیح ہوجائے گا یہاں صحت کی نفی نہیں ہے۔جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد.

ترجمہ: مسجد کے پڑوسی کی نماز صحیح نہیں ہے مگر مسجد میں۔

یہاں نفی کمال کی ہے۔صحت کی نفی نہیں ہے۔یعنی مسجد کا پڑوسی اگر گھر میں نماز پڑھے گا تو نماز صحیح ہوگی مگر ثواب میں کمی ہوگی۔مکمل ثواب نماز کا نہیں ملے گا۔کیونکہ مسجد میں نماز

....

☆ حضرت غلام زین الدینؒ ترگوی کے پوتے، اسلامی علوم پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔مدرسہ عالیہ زینت الاسلام کے ناظمِ اعلیٰ۔

پڑھنے سے 27 گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ گھر میں نماز پڑھنے سے اگر فریضہ تو ادا ہو جائے گا مگر ستائیس گنا والے ثواب سے نمازی محروم ہو جائے گا۔ اس طرح وضو کی ابتدا میں بسم اللہ نہ پڑھنے سے وضو تو صحیح ہو گا مگر ثواب میں کمی ہو گی۔ مکمل ثواب سے محرومی ہو گی۔ جیسا کہ آئندہ حدیث سے ظاہر ہے۔

قال من توضاء وذكر اسم الله عليه كان طهوراً لجميع بدنه ومن توضاء ولم يذكر اسم الله عليه كان طهوراً لاعضاء.

ترجمہ: جس نے وضو کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھی اس کا پورا بدن پاک ہو جائے گا۔ جس نے وضو کی ابتدا میں بسم اللہ نہیں پڑھی۔ صرف اعضا وضو پاک ہوں گے۔

حدیثِ مبارکہ سے بسم اللہ شریف پڑھنے کی فضیلت ظاہر ہوگئی۔ زبان سے صرف ایک کلمہ کا ورد کیا۔ اللہ کا نام لیا تو پورا جسم پاک ہو گیا۔ تسمیہ کو ترک کر دینے سے ثواب میں کمی ہوئی۔ اور صرف اعضا وضو پاک ہوئے، پورا جسم پاک نہ ہوا۔ اس لیے حدیثِ پاک میں آپ ﷺ نے فرمایا ہر کام کے ابتدا میں بسم اللہ پڑھی جائے۔ تا کہ وہ کام بابرکت ہو جائے اور فرمایا: ہر ذیشان کام جس کی ابتدا میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں برکت نہیں رہتی۔

حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ کا مسلک ہے۔ وضو کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔

پہچانِ امت بذریعہ وضو:

عن نعيم المجمر فقال انى سمعت رسول الله ﷺ يقول ان امتى يدعون يوم القيامة غراً محجلين من اثار الوضو فمن استطاع منكم ان يطيل غرته فليفعل. (بخاری)

ترجمہ: نعیم مجمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کے لوگ قیامت کے دن اس حال میں بلائے جائیں گے کہ وضو کرنے کی وجہ سے ان کی پیشانیاں، ہاتھ اور پاؤں سفید نورانی چمک والے ہوں گے جو کوئی تم میں سے سفیدی (نورانیت)

بڑھانا چاہے تو وہ بڑھائے۔

(بخاری شریف جلد اول کتاب الوضو)

ان يطيل غرته اس کے دو مطلب ہیں۔

۱۔ جو شخص اپنے اعضا کی نورانیت زیادہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اعضا کو اس حد سے زیادہ دھوئے کہ جس حد تک دھونے کا حکم ہے۔ مثلاً کہنیوں کو کندھوں تک دھوئے اور پاؤں کو پنڈلی تک دھوئے۔

۲۔ ان يطيل کا دوسرا مطلب ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے جیسے ایک چیز کو بار بار دھونے سے نظافت اور پاکیزگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی وضو پر وضو کرنے سے قیامت کے دن اعضاء وضو کی نورانیت میں اضافہ ہوگا۔

عن ابن عمرؓ قال النبی ﷺ من توضاء علی طهر كتب الله له، به عشر حسنات. (سنن ترمذی)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو ہونے کے باوجود وضو کیا اللہ تعالیٰ اس کو دس نیکیاں عطا فرمائے گا۔

عن انس ان النبی ﷺ كان يتوضا لكل صلوة طاهراً او بغير طاهر وقد كان بعض اهل العلم يرى الوضوء لكل صلوة استجاباً لا على الوجوب. (سنن ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ہر نماز کے لیے وضو کرتے چاہے وضو سے ہوتے یا بغیر وضو کے۔

اس حدیث کے تحت بعض علمانے فرمایا ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔ واجب نہیں ہے۔ نیا وضو کرنے سے ثواب میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور اعضا وضو کی نورانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

عن ابی الدرداء قال رسول الله ﷺ انا اول من يوذن له باالسجود يوم القيامة واول من يرفع راسه، فانظر الىٰ ما بين يدى فاعرف امتى من بين سائر الامم ومن

خلفی مثل ذلک و عن یمینی مثل ذلک وعن شمالی مثل ذلک فقال رجل کیف تعرف امتک یا رسول الله من بین سائر الامم قال هم غر محجلون من اثار الوضوء لیس لاحد کذلک غیرھم. (عمدۃ القاری، مشکوۃ شریف)

ترجمہ: آپ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور سب سے پہلے میں اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤں گا اور اپنے سامنے تمام امت کے لوگوں سے اپنی امت کے لوگوں کو پہچانوں گا۔ پھر اپنے پیچھے اپنی امت کے لوگوں کو اسی طرح پہچانوں گا۔ پھر اپنے دائیں اور بائیں اپنی امت کے لوگوں کو پہچانوں گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اتنے انبیا کرام کی امتوں میں سے اپنی امت کی پہچان کس طرح کریں گے۔ فرمایا وضو کرنے کی وجہ سے ان کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں چمک رہے ہوں گے اور یہ چیز کسی دوسری امت کے لوگوں میں نہیں ہوگی۔

اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ قیامت کے دن اعضا وضو کا نورانی ہونا صرف حضور ﷺ کی امت کے ساتھ خاص ہے۔ کسی دوسرے نبی کی امت میں یہ بات نہیں ہوگی۔ اس حدیثِ پاک سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مستقبل کے غائب اور آخرت کے غائب امور سے مطلع فرمایا۔ جبکہ ایسا علم کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں کیا گیا۔

عن ابی ھریرہؓ ان رسول ﷺ قال ان حوضی ابعد من ایلة من عدنِ لھو اشد بیاضاً من الثلج واحلی من العسل بااللبن ولا نیة اکثر من عددَ النجوم وانی لاصدالناس عنه کما یصدالرجل ابل الناس عن حوضة قالو یارسول الله اتعرفنا یومئذِ قال نعم لکم سیما لیست لاحدِ من الامم تردون علی غراً محجلین من آثار الوضوء. (صحیح مسلم شریف)

آپ نے فرمایا میرے حوض کے دو کناروں کا فاصلہ ایلہ سے عدن تک کا ہوگا۔ ایلہ ملک شام کا شہر ہے اور عدن ملک یمن کا شہر ہے۔ حوض کا پانی برف سے زیادہ سفید اور لذت میں شہد سے

زیادہ لذیذ ہوگا۔ پانی پینے کا برتن تاروں سے زیادہ ہوں گے۔ میں لوگوں کو یعنی دوسری امت کے لوگوں کو اپنے حوض سے دور کروں گا۔ جیسے ایک شخص اپنے حوض پر اپنے اونٹوں کے علاوہ دوسرے کے اونٹوں کو روکتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس وقت آپ اپنی امت کے لوگوں کو پہچان لیں گے۔ تمہاری اس علامت کی وجہ سے جو دوسری امت کے لوگوں میں نہیں ہوگی۔ تم مجھ پر اس حال میں وارد ہوگے کہ وضو کرنے کی وجہ سے تمہارے چہرے اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے۔

فقال کیف تعرف امتک یا رسول اللہ ﷺ فقال ارائت لوان رجلاً لا خیل غرَ محجلة بین ظھری خیل دھمِ بھم الایعرف خیلہ، قالو بلی یا رسول اللہ ﷺ قال فانھم یاتون غراً محجلین من الوضوء وانا افرطھم علی الحوض.

آپ نے فرمایا ایک شخص کے پیشانی اور پاؤں چمکنے والے گھوڑے کالے سیاہ گھوڑوں کے درمیان ہوں گے۔ تو کیا وہ شخص اپنے سفید پیشانی والے گھوڑوں کو پہچان نہ لے گا۔ عرض کیا گیا کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ یعنی آسانی سے پہچان لے گا۔ آپ نے فرمایا میری امت کے لوگ وضو کی وجہ سے سفید پیشانی اور چمکتے ہاتھ پاؤں والے ہوں گے اور میں حوض پر تمہارے لیے انتظام کرنے والا ہوں گا۔

وضو کا استعمال شدہ پانی امراض کے لیے شفا ہے۔

صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کے استعمال شدہ وضو کے پانی سے برکت حاصل کرتے تھے اور بیماروں کو پلاتے تو شفا ہو جاتی۔ اس لیے صحابہ کرام حضور ﷺ کے استعمال شدہ وضو کے پانی کو بڑی محبت اور عقیدیت کے ساتھ جمع کرتے تھے۔ عرہ بن مسعود نے مکہ کے مشرکوں سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ جب وضو کرتے ہیں تو لوگ وضو میں استعمال شدہ پانی کو حاصل کرنے میں اتنی کوشش کرتے ہیں کہ گویا ابھی اس کوشش میں ان کے درمیان جنگ شروع ہو جائے گی۔ پھر صحابہؓ اس پانی کو اپنے چہروں اور جسموں پر ملتے ہیں۔ جس صحابی کو بچا ہوا پانی نہیں ملتا وہ دوسرے کی ہاتھوں کی

تری لے کر مل لیتا۔

حدیث نمبرا: عن جابرؓ قال جاء رسول اللہ ﷺ یعود نی وانا مریض لا اعقل فتوضا وصب علی من وضوئه فعقلت. (بخاری باب صب النبی ﷺ وضوعلی المغمی علیہ)

ترجمہ: حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ میری بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ میں ایسا بیمار تھا کہ بالکل بے ہوش تھا۔ آپ نے وضو کیا اور وضو میں استعمال شدہ پانی کو مجھ پر ڈال دیا۔ مجھے ہوش آ گیا۔

اس حدیثِ پاک سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کے جسم پاک کا دھوون ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔

حدیث نمبر۲۔ عن سائب بن یزید یقول ذهبت بی خالتی الی النبی ﷺ فقالت یا رسول الله انّ ابن احتی وجع فمسح راسی ودعالی بابرکۃ ثم توضا فشربت من وضوئه ثم قمت خلف ظهره. (بخاری شریف، باب استعمال فضل وضوء الناس)

ترجمہ: سائب بن یزید کہتے ہیں میں بیمار تھا۔ میری خالہ مجھے حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے گئیں اور میرے مرض کا ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ برکت کی دعا کی۔ پھر آپ نے وضو کیا۔ میں نے آپ کے وضو کا پانی پیا۔ مجھے اسی وقت شفا ہو گئی۔ اور میں نے حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز بھی پڑھ لی۔ علامہ عینی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

فیه جواز التبرک باثار الصالحین.

اس حدیثِ مبارکہ سے بزرگانِ دین کے آثار کو تبرک بنانے کا جواز نکلتا ہے اور ان آثار سے نفع کی امید رکھنا شرک و بدعت نہیں بلکہ سنتِ صحابہ ہے۔ اِن احادیث سے ثابت ہوا کہ صالحین کے جھوٹے پانی سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ بزرگانِ دین وعلماء کرام اور پیر و مرشد کے وضو کا پانی تبرک ہے اور اس کا حصول شفا کے لیے استعمال کرنا سنت ہے۔

حدیث نمبر۳۔ عن ابی جحیفۃؓ یقول خرج علینا النبیﷺ بالھا جرۃ فاتی بوضوء فتوضا فجعل الناس یاخذون من فضل وضوء فیتمسحون بہ فصلی النبی انطھر و العصر رکعتین. وقال ابوموسیٰ دعا النبیﷺ بقدح فیہ ماء فغسل یدیہ ووجھہ فیہ ومج فیہ ثم قال لھما اشربا منہ وافر غا علی وجوھکما ونحور کما. (بخاری شریف باب استعمال فضل وضوالناس)

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہؓ فرماتے ہیں دو پہر کے وقت آنحضرتﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ وضو کا پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے وضوفرمایا۔ صحابہؓ وضو کے پانی پر جھپٹ پڑے۔ اس پانی کو حصول برکت کے لیے اپنے جسموں پر ملتے تھے۔ آپﷺ نے ظہر اور عصر کی دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ابو موسیٰ اشعری نے کہا۔ نبی کریمﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا۔ اس میں اپنا منہ اور ہاتھ دھوئے یعنی وضو کیا اور اس پانی میں کلی کی۔ پھر ابوموسیٰؓ اور بلالؓ کو استعمال شدہ پانی پینے اور سینے پر ڈالنے کا حکم فرمایا۔ تا کہ یہ دونوں اصحاب اس مرض سے شفایاب ہو جائیں جس میں یہ مبتلا تھے۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ان اصحاب کے سینوں اور چہروں میں برکت پیدا ہو جائے۔

فاقبل رسول اللہﷺ علی ابی موسیٰ وبلال قال اشربا منہ وافر غا علیٰ وجوھکما ونحور کما وابشر افاخذ القدح ففعلا فنادت ام سلمۃؓ من وراء الستران افضلا لا مکما ففضلا لھامنہ طائفۃ. (بخاری شریف، جلددوم، کتاب المغازی)

ترجمہ: حضورﷺ ابوموسیٰ اشعری اور حضرت بلالؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ پانی پی لو۔ اور یہ پانی اپنے چہروں اور سینوں پر ڈالو۔ اور بشارت سے خوش ہو جاؤ۔ انھوں نے پیالہ پکڑا اور ایسا ہی کیا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے پردے کے پیچھے سے پکارا۔ کہ حضورﷺ کے وضو کے پانی کا باقی ماندہ پانی اپنی ماں کے لیے (یعنی میرے لیے) بھی چھوڑو۔ ان دونوں نے حضرت مائی صاحبہ کے لیے پانی کا ایک حصہ چھوڑا۔

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضورﷺ کے وضو کے باقی ماندہ پانی میں شفا اور برکت ہے۔ حضرت ام المومنینؓ کو اس پانی کی قدرومنزلت معلوم تھی۔ اس لیے بآواز بلند پردے کے پیچھے پکارا۔ کہ اس باقی ماندہ پانی میں میرا حصہ بھی رکھنا۔ تا کہ اس کو پی کر اس کی برکات سے مستفیض ہو سکوں۔ اس حدیث شریف سے بزرگانِ دین، صوفیائے کرام، علمائے کرام کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو امراض سے شفا کے لیے بطورِ علاج استعمال کرنے کا ثبوت ملا۔

مسواک کے ساتھ وضو کی فضیلت:

عن عائشہؓ قالت کان النبیﷺ لا یرقد من لیل ولا نہار فیستیقظ الا یتوسک قبلَ ان یتوضاء. (ابوداؤد)

ترجمہ: آپﷺ دن اور رات میں جب بھی نیند سے بیدار ہوتے۔ وضو کرنے سے قبل مسواک فرماتے۔

عن علی ابن ابی طالبؓ عنہ، قال رسول اللہﷺ لو لا ان اشق علی امتی لا مرتھم باالسوک مع کل وضوءِ.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپﷺ نے فرمایا اگر امت پر یہ چیز بھاری نہ سمجھتا۔ تو البتہ ان کو ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم کرتا (الطبرانی)

ان احادیثِ مبارکہ سے وضو سے پہلے مسواک کی اہمیت واضح ہوگئی۔

عن ابی اسامہؓ قال رسول اللہﷺ تسو کوفان السواک مطھرۃ للفم مرضاۃ للرب ماجاء فی جبرائیل الا اوصانی بالسواک حتی لقد شیت ان یفرض علی وعلی امتی.

ترجمہ: ابو اسامہ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا۔ اے لوگو مسواک کرو۔ کیونکہ مسواک منہ کو صاف کرنے والا ہے۔ اور رب کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے۔ جبرائیل مجھے ہمیشہ مسواک کی وصیت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مجھے خدشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مسواک کو مجھ پر اور میری امت پر فرض

فرمادے۔

عن علیؓ قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا تسوک ثم قال یصلی قام الملک خلفه، فیستمع لقراته ضید نومنه، حتی یضع فاه علی فیه. فما یخرج من فیه شی من القرآن الا صارفی جوف الملک فطهرو افواهکم للقرآن. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس وقت بندہ وضو کرتے ہوئے مسواک کرتا ہے۔ پھر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ ایک فرشتہ نمازی کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے جو نمازی کی قرات کو سنتا ہے۔ حتیٰ کہ فرشتہ نمازی کے قریب ہو کر اپنا منہ نمازی کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔ نمازی کے منہ سے جو تلاوت نکلتی ہے وہ سیدھی فرشتے کے پیٹ میں جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے منہ کو قراتِ قرآن کے لیے صاف کرو۔

اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ منہ کی صفائی اور مسواک کے استعمال سے رحمت کے فرشتے انسان کے قریب ہوتے ہیں اور قرآن پاک کی تلاوت سے لذت حاصل کرتے ہیں اور تلاوت کرنے والے کے لیے بخشش و مغفرت کی دعا کرتے ہیں جبکہ منہ کی بدبو سے دور بھاگتے ہیں۔

عن عائشةؓ قال رسول اللہ ﷺ فضل الصلاة بالسواک علی الصلاة بغیر سواک سبعون ضعفاً. (احمد)

ترجمہ: حضرت مائی صاحبہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس نماز کے وضو میں مسواک کیا گیا وہ اس نماز سے ثواب میں ستر گنا زیادہ ہے کہ جس کے وضو میں مسواک نہیں کیا گیا۔

ان اوقات میں مسواک کرنا مستحب ہے۔

۱۔ قرآنِ پاک کی تلاوت سے قبل

۲۔ درسِ حدیث یا علمی محفل میں شرکت سے قبل

۳۔ اپنے گھر میں داخل ہونے سے قبل

۴۔ اپنی بیوی سے جماع کرنے سے قبل

۵۔ میلاد شریف کی محفل میں شرکت سے قبل

۶۔ کعبہ شریف میں داخل ہونے سے قبل

۷۔ بھوک اور پیاس کے وقت

۸۔ نیند سے بیدار ہوتے وقت خصوصاً تہجد کی نماز سے قبل

صالحین کو وضو کرانا سعادت و برکت کا ذریعہ ہے۔

عن اسامة بن زیدؓ ان رسول اللهﷺ لما افض من عرفة عدل الی الشعب فقضی حاجة قال اسامة فجعلت اصب علیه ویتوضاء. (بخاری شریف باب الوضو)

ترجمہ: اسامہ سے روایت ہے کہ حضورﷺ عرفات سے واپس ہوئے۔ تو آپ گھاٹی کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہاں آپ حاجت سے فارغ ہوئے۔ اسامہؓ نے کہا میں آپﷺ پر پانی ڈالتا تھا اور آپﷺ وضو فرماتے۔

عن عروة بن مغیرة انه، کان معه رسول اللهﷺ فی سفرٍ وانه، ذهب لحاجة له، وان مغیره جعل یصب الماء علیه وهویتوضاء. (بخاری باب الرجل یوضی صاحبہ)

ترجمہ: عروہ بن مغیرہ سے روایت ہے کہ حضورﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ عروہ اپنے باپ کا حال بیان کرتے ہیں کہ میرے والدِ محترم حضورﷺ کے اعضاء پر پانی ڈالتے اور آپﷺ وضو فرماتے۔

اس حدیث کے تحت علامہ عینی فرماتے ہیں۔

من الادب خدمة الصغیر للکبیر ولو کان لا یا مربذلک.

ترجمہ: چھوٹے کو چاہئے کہ وہ بڑے کی خدمت کرے اگر چہ بڑا اس بات کا حکم نہ بھی کرے۔

اگر چہ بڑا اس بات کا حکم نہ بھی کرے۔

امِّ عیاش حضرت رقیہؓ کی لونڈی تھی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں حضورﷺ کو وضو کراتی اس حال

میں کہ آپ بیٹھے ہوتے اور میں کھڑی ہوتی۔

فیه دلیل علی جواز الا ستعانه فی الوضو.

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شاگرد کا اپنے استاد کو، علمائے کرام کو اور مرید کا اپنے شیخ کو وضو کرانا سنتِ صحابہ ہے اور یہ چیز حصولِ سعادت کا سبب ہے۔ اگرچہ استاد اور شیخ اس بات کا حکم نہ بھی کریں۔

عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ دخل الخلاء۔ فوضعت له، وضوه، قال من وضع هذا افاخبر فقال اللهم فقهه فی الدین۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ بیت الخلا میں داخل ہوئے۔ تو میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا۔ آپ ﷺ نے باہر آ کر پوچھا یہ پانی کس نے رکھا ہے۔ لوگوں نے عرض کی۔ ابن عباسؓ نے رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ اس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔

حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ ابنِ عباسؓ نے وضو کے سلسلہ میں خدمت کی۔ آپ ﷺ اس خدمت سے خوش ہوئے اور دعا دی۔ ابنِ عباسؓ اس وقت بچے تھے۔ حضور ﷺ کی دعا کے صدقے اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کا بڑا عالم بنا دیا۔ ثابت ہوا کہ صالحین کو وضو کرانا حصولِ سعادت اور برکت کا ذریعہ ہے۔

عن ربیعة بن کعبؓ قال کنت ابیت مع رسول الله ﷺ فاتیته، بوضوئه وحاجته فقال لی سل فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنة قال اوغیر ذالک قلت هو ذالک قال فاعنی علی نفسک بکثرت السجود. (رواہ مسلمؒ)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ربیعہ بن کعبؓ نے کہا کہ میں رات کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ جب آپ تہجد کے وقت بیدار ہوتے تو وضو کا پانی، مسواک اور مصلے پیش کرتا۔ میری خدمت پر آپ ﷺ خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دین و دنیا کی بھلائی میں سے جو کچھ مانگنا چاہتے ہو مانگ۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ بہشت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ

جو کچھ مانگنا ہے مانگو۔ میں نے عرض کیا۔ میرا یہی مطلوب ہے۔ فرمایا۔ بہت نمازیں پڑھنے سے میری مدد کر۔

اس حدیثِ مبارکہ سے چند مسئلے معلوم ہوتے ہیں کہ وضو کی خدمت کرنے پر حضور ﷺ خوش ہوئے اور خدمت کو دیکھ کر آپ کی رحمت پورے جوش میں آئی۔ اور فرمایا۔ مانگ جو کچھ مانگنا چاہتے ہو۔ لفظ "سَلْ" میں عموم ہے۔ دنیاوآخرت میں سے جو بھی چاہتا ہے۔ مانگ، کوئی قید نہیں ہے۔

۲۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مختارِ کُل بنایا۔ دنیاوآخرت کی تمام چیزوں پر آپ کو اختیار دے دیا گیا ہے۔

۳۔ ادائیگی نوافل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے فرمایا کہ کثرتِ سجود سے میری مدد کر۔

۴۔ آپ ﷺ امت کے حاجت روا ہیں۔

۵۔ بزرگوں، علمائے کرام کی خدمت موجبِ سعادت ہے۔

باوضو نیند کرنے کی فضیلت

عن البراء بن عازب قال لی النبی ﷺ اذا اتیت مضجعک فتوضا وضوئک للصلاة ثم اضطجع علی شقک الایمن ثم قل . اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِیَ اِلَیْکَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَیْکَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْت. فان مت من لیلتک فانت علی الفطرة واجعلهن آخر ماتکلم بِهِ. (بخاری شریف باب فضل من بات علی الوضوع)

ترجمہ: براء بن عازب سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا جب تو اپنے بستر پر آئے۔ تو نماز کا سا وضو کرے۔ پھر داہنے کروٹ پر لیٹے اور یوں دعا کرے۔ یا اللہ تیرے ثواب کے شوق

میں اور تیرے عذاب کے خوف سے میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا اور اپنی کمر تجھ پر ٹیک دی اور اپنا کام تجھ کو سونپ دیا۔ تجھ سے بھاگ کر کہیں پناہ نہیں اور کہیں ٹھکانہ نہیں مگر تیرے ہی پاس ہے۔ یا اللہ میں تیری کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے اتارا اور تیرے نبی پر جس کو تو نے بھیجا۔ اب اگر تو اس رات کو مر جائے تو اسلام پر رہے گا اور ایسا کر کہ یہ دعا تیری آخری کلام ہو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سوتے وقت وضو کرنا اور اس طرح دعا کرنا مستحب ہے۔ دائنی کروٹ سونا حضور علیہ کو محبوب تھا کیونکہ آپ ہر کام کی سیدھی طرف کو پسند فرماتے تھے۔ نیند دائنی کروٹ سونے سے غفلت نہیں ہوتی اور تہجد کے لیے آنکھ کھل جاتی ہے۔ باوضو سونے کی حکمت یہ ہے۔ ممکن ہے اس رات کو موت آجائے تو وضو کی برکت سے شیطان سے محفوظ رہے گا اور اعمال کا اختتام وضو اور اللہ کے ذکر یعنی دعا پر ہوگا جو کہ افضل الاعمال ہے اور نجات کا سبب ہے۔

حدیث نمبر۲۔ عن ابی ھریرۃؓ قال النبی علیہ من بات طاھراً فی شعار طاھرٍ بات رمعہ ملک فی شعارہ فلا یستیقظ ساعۃ من الیل الاقال الملک. اللھم اغفر لعبدک فلانٍ فانہ بات طاھراً. (تنبیہ الغافلین)

ترجمہ: جو شخص وضو کر کے سو گیا اس کا بستر پاک تھا۔ ایک فرشتہ ساری رات اس کے پاس ہوگا۔ یہ شخص جب بھی رات کو بیدار ہوگا۔ فرشتہ اس کے لیے بخشش کی اور مغفرت کی دعا مانگے گا اور کہے گا۔ یا اللہ اس شخص کو بخش دے کیونکہ یہ وضو کر کے سویا ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ سے باوضو نیند کی فضیلت معلوم ہو گئی کہ بظاہر نیند ہے لیکن حقیقت میں یہ نیند عبادت بن گئی ہے اور گناہوں کی بخشش و مغفرت کا ذریعہ بن گئی ہے۔

اللہ اور اس کے رسول علیہ کی رضا حاصل کرنے کا سبب بن گئی ہے۔ فرشتہ ساری رات اس کی حفاظت پر معمور ہے۔ انسان حالتِ سکون میں ہے لیکن اس کے گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ عبادت یعنی نوافل اور تسبیحات کا ورد کیے بغیر باوضو نیند سے انسان کے گناہ معاف ہو رہے ہیں۔

فرمانِ حضرت خواجہ غریب نوازؒ:

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ جو لوگ عارف ہیں اور دوست کی محبت میں مستغرق رہتے ہیں ان کے متعلق مرقوم ہے کہ جو بندہ رات کو باطہارت سوتا ہے فرشتہ کو ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ جب تک وہ بیدار نہ ہو اس کے پاس رہو۔ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ خداوند اس بندے کو بخش دے کہ نیک ہے اور طہارت کے ساتھ سویا ہے۔

پھر فرمایا۔ شرع عارفان میں آیا ہے کہ جو بندہ باطہارت سوتا ہے فرشتے اس کی روح زیرِ عرش لے جاتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو خلعتِ نور پہنایا جائے۔ جب وہ سجدہ کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ نیک بندہ ہے جو رات کو باطہارت سویا تھا۔ جو بے طہارت سوتا ہے اس کی روح کو آسمانِ اول سے گرا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ اس قابل نہیں ہے کہ آسمان اول پر لے جایا جائے اور خدائے تعالیٰ کو سجدہ کرے۔

جاری ہے۔۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆

علامہ بدیع الزمان نوریؒ

پانچواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ﴾(۱)

اگر تم یہ سمجھنا چاہتے ہو کہ انسان کی حقیقی اور اس کے شایانِ شان ذمہ داری ___ اور اگر وہ اپنی تخلیق کے مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر چلے تو اس صورت میں برآمد ہونے والا فطری نتیجہ ___ یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرے اور گناہوں سے کنارہ کش رہے، تو درج ذیل چھوٹی سی تمثیلی کہانی غور سے سنو:

ایک جنگ میں سفر کے دوران کسی ملک کی فوج کی ایک بٹالین کے دو سپاہیوں کی آپس میں ملاقات ہوئی، ان میں سے ایک انتہائی ذمہ دار، ڈیوٹی پر توجہ دینے والا، اور اچھا تربیت یافتہ تھا، جبکہ دوسرا اپنی ڈیوٹی سے لاپرواہ، منچلا اور اناڑی تھا۔ اعلیٰ تربیت یافتہ اور ماہر سپاہی کی تمام تر توجہ ٹریننگ اور جہاد کے معاملات پر مرکوز تھی اور راشن اور معاش کے دیگر مسائل کی اسے کوئی فکر نہیں تھی، کیونکہ اسے اس بات کا بخوبی علم تھا کہ اسے خوراک، اسلحہ اور زندگی کے دیگر لوازمات مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، حتیٰ کہ کسی لاچاری کی حالت میں اگر اس کے منہ میں لقمہ ڈالنا پڑے تو یہ کام بھی حکومت ہی کرے گی، اور اس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ صرف جنگی معاملات کی ٹریننگ لیتا رہے، اور بس۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ چیز بھی سمجھتا تھا کہ اس بھرپور انداز سے ڈیوٹی دینے کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ وہ ڈیوٹی کے علاوہ کوئی اور کام کر ہی نہ سکے، اس لیے اسے کبھی جنگی تیاری سے متعلق ذمہ داری بھی سونپی جاتی، جیسے کھانا پکانا اور برتن دھونا وغیرہ، اور اس دوران اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو تو کہتا: میں رضاکارانہ طور پر ملک کی خدمت کر رہا ہوں، اور یہ نہ کہتا کہ

میں یہ تگ و دو لوازمِ حیات مہیا کرنے کے لیے کر رہا ہوں۔

اس کے برعکس دوسرا سپاہی جو کہ صرف شکم پرور تھا، وہ نہ تو ٹریننگ سے کوئی سروکار رکھتا اور نہ جنگ کے معاملات میں دلچسپی لیتا۔ وہ کہتا تھا: بھئی یہ ذمہ داری حکومت کی ہے میرا اس سے کیا واسطہ؟ اس لیے وہ ہر وقت اپنے آپ کو معیشت کے معاملات میں الجھائے رکھتا اور سامانِ خورد و نوش زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لیے ہانپتا رہتا، یہاں تک کہ کبھی اپنی پلٹن کو چھوڑ کر کھانے پینے کے سامان کے لیے بازاروں میں گھومتا رہتا۔

اس کے سمجھدار دوست نے ایک دن اس سے کہا:

میرے بھائی! تمہاری اصلی ڈیوٹی ٹریننگ اور جنگ کی تیاری ہے، اور یہ وہ ہدف ہے جسے پورا کرنے کے لیے تمہیں یہاں لایا گیا ہے، تم اپنے کھانے پینے کی فکر مت کرو اور اس بارے میں بادشاہ پر بھروسہ رکھو، وہ تمہیں کبھی بھوکا نہیں رہنے دے گا؛ کیونکہ یہ اس کی ذمہ داری اور اس کی ڈیوٹی ہے۔ پھر یہ ہے کہ تم عاجز، فقیر، نادار اور ضرورت مند ہو اس لیے اپنی معیشت کا انتظام از خود نہیں کر سکتے ہو، اور اس پر مزید یہ کہ ہم اس وقت جہاد کے لمحات میں اور جنگ کے میدان میں ہیں، اس لیے میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ گورنمنٹ کہیں تمہیں باغی اور نافرمان قرار دے کر تمہارا کورٹ مارشل ہی نہ کر دے۔

یاد رکھو کہ ہمارے سامنے دو ذمہ داریاں نمایاں ہوتی ہیں:

ان میں سے ایک ذمہ داری کا تعلق حکمران کے ساتھ ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ ہمارے خورد و نوش اور دیگر لوازمِ حیات کا انتظام کرے، اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے وہ ہماری خدمت کبھی کبھی مفت بھی لے سکتا ہے۔

اور دوسری ذمہ داری کا تعلق ہمارے ساتھ ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم ٹریننگ لیں اور لڑائی کے لیے تیاری رکھیں، اور اس ضمن میں حکمران ہمیں ضروری ساز و سامان اور سہولیات بہم پہنچاتا رہے گا۔

میرے بھائی! ذرا غور کرو کہ اگر وہ بیکار باش سپاہی اپنے اس مجاہد اور تربیت یافتہ دوست کی بات پر کان نہیں دھرے گا تو کتنا نقصان اٹھائے گا؟ اور کتنی ہلاکتوں اور کتنے خطرات سے دوچار رہے گا!

اے میرے کسل مند دل!

وہ میدان جو جنگ وجدل کی آماجگاہ بنا ہوا ہے وہ میدانِ تلاطم خیز یہ دنیاوی زندگی ہے اور وہ لشکر جو مختلف پلٹنوں میں منقسم ہے، وہ یہ انسانی نسلیں ہیں۔ وہ خاص پلٹن جس کے یہ دو سپاہی تھے، وہ موجودہ دور کا مسلم معاشرہ ہے۔ وہ دو سپاہی جو ہیں، ان میں سے ایک تو وہ ہے جو اپنی ذمہ داریوں کی جان پہچان رکھتا ہے اور انہیں صحیح طور پر ادا کرتا ہے اور کبیرہ گناہوں سے کنارہ کش رہتا ہے۔ یہ وہی تقویٰ شعار مسلمان ہے جو گناہوں کے ڈر سے ہمہ وقت اپنے نفس اور شیطان کے ساتھ برسرِ پیکار ہے اور دوسرا سپاہی وہ ہے جو فسق وفجور میں گرفتار اور سراسر نقصان سے دوچار ہے، جو غمِ روزگار میں اس حد تک ہانپ رہا ہے کہ بسا اوقات رازقِ حقیقی پر بھی زبان درازی کرنے سے نہیں چوکتا ہے۔ اور روٹی کا ایک لقمہ حاصل کرنے کے لیے اسے یہ پرواہ ہی نہیں ہوتی ہے کہ اس تگ ودو میں وہ فرائض کی پامالی، ذمہ داریوں کا استحصال اور گناہوں اور نافرمانیوں کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اور وہ ٹریننگ اور مشقیں جو ہیں ان سے مراد عبادات ہیں اور ان میں سرِ فہرست نماز ہے۔

جنگ سے مراد وہ مجاہدہ اور کوشش ہے جو انسان اپنے دل اور روح کو ایک ساتھ ابدی ہلاکت اور واضح خسارے سے بچانے کے لیے اپنے نفس اور خواہشاتِ نفس کے ساتھ کر رہا ہے، وہ مقاومت ہے جو وہ خطاؤں سے دور رہ کر اور کمینہ اخلاقیات سے کنارہ کش ہو کر کر رہا ہے، اور اس جنگ سے مراد وہ مقابلہ ہے جو اس کے، اور جن وانس کے شیطانوں کے درمیان برپا ہے۔

باقی رہیں وہ دو ذمہ داریاں، تو ان میں سے ایک تو زندگی کے اس عطیے کا خیال رکھنا ہے، اور دوسری یہ ہے کہ وہ ذات جس نے یہ زندگی عطا کی ہے اور جو اسے پروان چڑھا رہی ہے، اس کی بندگی اختیار کی جائے، اس سے مانگا جائے، اس پر توکل کیا جائے اور اس کے بارے میں اطمینان

رکھا جائے۔

جی ہاں! جس نے زندگی عطا کی ہے، اور اس زندگی کو اس طرح بنایا ہے کہ اس میں اس کی قدرت کی بے نیازکاری گری کی جھلک جلوہ گر ہے، اور اسے اس نہج پر استوار کیا ہے کہ اس میں اس کی پروردگاری کی سمجھ سے بالاتر اور غیر معمولی حکمت جگمگا رہی ہے، وہی اسے منزل بمنزل رواں دواں ارتقا کی طرف لے جا رہا ہے، اور وہ اکیلا ہی اس کی نگہداشت کرتا ہے اور اسے اس کا مطلوبہ رزق بہم پہنچا کر اسے دوام بخش رہا ہے۔

کیا تمہیں اس کی دلیل درکار ہے؟!۔۔۔ تو سنیے:

کند ذہن مچھلیوں کو اور پھلوں میں پائے جانے والے کیڑوں جیسے کمزور، بلید اور کم عقل جانداروں کو بھی نہایت عمدہ اور بہترین رزق فراہم کیا جاتا ہے۔ پھر انسانوں اور حیوانوں کے بچوں جیسی کمزور، لاچار اور نازک ترین مخلوق خوبصورت، مزیدار اور پاکیزہ ترین رزق سے نوازی جاتی ہے۔ اور یہ سمجھنے کے لیے کہ رزق کا وسیلہ اقتدار واختیار نہیں بلکہ عجز وافتقار ہے، یہی چیز کافی ہے کہ آپ کند ذہن مچھلیوں اور چالاک لومڑیوں کے درمیان موازنہ کریں، جانوروں کے ننھے منے کمزور بچوں اور شکاری وحشی جانوروں کا موازنہ کریں، اور وقار سے سیدھے کھڑے درختوں اور رزق کے پیچھے ہانپنے والے جانوروں کے درمیان مقابلہ کر کے دیکھیں، ان سب کی خوراک کا تقابلی جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ رزق طاقت کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ کمزوری اور عاجزی سے ملتا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی جو روزی کی فکر میں نماز چھوڑ دیتا ہے اس کی مثال اس سپاہی کی سی ہے جو اپنی ٹریننگ اور خندق کو نظر انداز کر کے بھیک مانگنے کے لیے بازاروں کی خاک چھانتا پھرتا ہے، اس کے برعکس جو نماز کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ اس رزّاق کریم کے باورچی خانے سے اپنے حصے کی روزی بھی ڈھونڈتا ہے تاکہ دوسروں پر بوجھ بن کر نہ رہے، تو اس کا یہ کردار بہت خوبصورت ہے۔ بلکہ یہ چیز اصلی مردانگی، شہامت اور اولوالعزمی ہے۔ اور یہ چیز بھی بہترین

قسم کی عبادت ہے۔

پھر یہ ہے کہ انسان کی فطرت اور اس کی روحانی صلاحیتوں سے بھی یہی رہنمائی ملتی ہے کہ اسے صرف عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے؛ کیونکہ اسے جو طاقتیں ودیعت کی گئی ہیں اور اپنی اس دنیاوی زندگی کے لیے وہ جتنے بھی کام کرتا ہے وہ سب چیزیں مل کر اسے ایک چھوٹی سی چڑیا کا مرتبہ بھی نہیں دے سکتی ہیں، چڑیا جو کہ اس زندگی کا انسان سے کئی گنا اچھے طریقے سے لطف اٹھاتی ہے۔انسان کو اس کی روحانی اور اخروی زندگی کی حیثیت سے دیکھا جائے اور اس میں ودیعت کی گئی علمی صلاحیت، اور اس کا فقر و عجز اور اس کی بندگی کا پہلو دیکھا جائے، تو اس پہلو سے یہ انسان سیّد المخلوقات ہے۔

سوائے میرے نفس!

اگر تم اس دنیاوی زندگی کو اپنا نصب العین بنا لوگے، اور اس کے حصول کے لیے تمام صلاحیتیں صرف کردو گے تو تمہاری حیثیت ایک حقیر چڑیا سے بھی کم تر ہوگی۔لیکن اگر تم اپنا نصب العین اخروی زندگی کو بناؤ گے اور اس دنیا کو آخرت کی کھیتی اور وہاں تک پہنچنے کے لیے ایک وسیلہ سمجھو گے، اور تمام تگ ودو اسی نہج پر کرو گے۔۔۔تو بہت جلد سید المخلوقات بن جاؤ گے۔اپنے خالقِ کریم کے ہاں اُس کا معزز بندہ اور اِس دنیا میں اس کا معزز مہمان بن جاؤ گے۔تمہارے سامنے اب دو راستے ہیں ان میں سے جس کا چاہو انتخاب کرلو:

اللہ مہربان سے یہ دعا کرتے رہا کرو کہ وہ تمہاری رہنمائی فرمائے اور تمہیں توفیق سے نوازے۔

کتاب: محرابِ تحقیق　　　مصنف: ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر
پبلشرز: ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی　　　مبصر: ڈاکٹر شفیق انجم

محرابِ تحقیق ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کے تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے جو ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں دس مقالات شامل ہیں جن میں سے زیادہ تر کا تعلق قدیم مذہبی نثر اور صوفیانہ شاعری سے ہے۔ بطورِ خاص سلسلہ چشتیہ کے بزرگان سے منسوب متون کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر صاحب نے اس کی صراحت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''ایک دو مقالات کو چھوڑ کر تمام تر مقالات اسی سلسلۂ ابد آثار کے خوش کن مناظر کی تعبیر اور تفہیم سے پیالہ گیر ہیں۔ تہذیب اور تصوف کے سلسلۂ خیال کو میں نے ادب کے تناظر میں دیکھا اور اس کی تفسیر اور معنوی تعیین میں بھی اسی روایت اور حقیقت کے تصورات میری پناہ گاہ رہے ہیں۔'' (ص، ۷) گویا یہ اہتمام شعوری ہے اور ڈاکٹر صاحب کے میلانِ تحقیق کی تفہیم میں یہ تناظر خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ جن اصحاب کو ڈاکٹر صاحب سے میل ملاقات کا شرف حاصل ہے ان کے لیے تو اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ صوفیانہ چاشنی اور چشتی آہنگ سے بھری ان کی باوجاہت علمی شخصیت آپ اپنا تناظر بھی ہے اور تفہیم بھی؛ لیکن وہ اصحاب جو ذرا دوری پر ہیں، ان کے لیے اس قسم کے اشارات بہر حال اہم ہیں۔ رسمی تعارف اور تعریف سے قطع نظر محرابِ تحقیق کی علمی و تحقیقی شناختوں پر گفتگو مناسب ہوگی، لیکن مقالات پر اظہارِ خیال سے قبل کتاب کے ابتدائیے میں سے دو اقتباسات ملاحظہ ہوں:

> ''محرابِ تحقیق میرے منتخب مقالات کا اولین مجموعہ ہے۔ ان مقالات میں دریافت کے رنگ بھی ہیں اور بازیافت کی خوشبو بھی؛ روایت کا تسلسل بھی ہے اور اس کی تعبیر؛ تلاش کا سفر بھی ہے اور جستجو کا احساس

بھی۔۔۔''

''میرے نزدیک تحقیق ایک طرح کا صوفیانہ عمل ہے۔اس میں بھی اس
گہرے انہماک اور استغراق کی ضرورت ہوتی ہے جو راہ سلوک کے مسافر
کا لازمۂ سفر ہے۔''

اقتباس اول میں ایک خطیبانہ آہنگ کے ساتھ،ایک بلند سطح سے مخاطبت کا انداز ملتا ہے اور یہ دعوئ جلیلہ کہ یہ مقالات عام اور عمومی نہیں، دریافت و بازیافت کا ایک منفرد اور بامعنی تسلسل لیے ہوئے ہیں اور اقتباسِ ثانی میں اس خاص مزاجِ تحقیق کی طرف اشارت جو ڈاکٹر صاحب نے اپنے لیے انتخاب کیا اور اس پر کاربند ہوئے۔ گویا ایک ارفع و اعلیٰ تصور تحقیق، جو اُن کے ہاں ایک مسلک بھی اور معیار و کسوٹی بھی۔

اس سیاق میں محرابِ تحقیق میں شامل دس مقالات کا مطالعہ کیا جائے تو خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے عملاً اپنے مسلک، مزاج اور معیار کو روا رکھا ہے اور اس استغراق کے ساتھ اپنے موضوعات کے شانہ بشانہ چلے ہیں کہ واقعتاً تحقیق کے ایک صوفیانہ عمل ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کے ملفوظات پر مبنی تین شاہکار متنوں یعنی: خلاصۃ الفوائد، خیر الاذکار فی مناقب الابرار اور مجالسِ کلیمی کی تحقیق و تعبیر میں ان کے ہاں یہ صوفیانہ استغراق بطور خاص نمایاں ہے۔ جستجو میں مستعدی، استخراجِ نتائج میں غور و تدبر اور اظہار میں نیازمندانہ رویے کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانے میں مشکل نہیں ہوتی کہ ڈاکٹر صاحب کی نظر، ان متون سے متعلق محض ایک مقالہ ترتیب دے دینے پر نہیں، بلکہ اس سے کہیں آگے، بارگاہِ مشائخ میں حاضری کے قابلِ قبول ہو جانے پر ہے۔ پس توجہ اور سلیقہ دیدنی ہے۔ ایسا نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ متون پہلی بار متعارف کرائے ہیں اور یہ بھی نہیں کہ لوگ ان متون کی اہمیت سے واقف نہیں تھے، لسانی و ادبی اعتبار سے بھی ان متون میں کچھ ایسا نہیں کہ جو تاریخ ادب میں سنسنی پیدا کر دے، بنیادی طور پر یہ فارسی متن ہیں اور سلسلۂ چشت کے مدارس دینیہ میں نہ صرف ان کی تدریس ہوتی ہے، بلکہ فارسی

روایت سے وابستہ علمائے دین کا وظیفہ بنتے چلے آئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے کام کی بنیادی بات ان متون کو بار دگر دیکھنا ہے۔ اور یہ دیکھنا عام دیکھنا نہیں۔ ایک کورانہ تقلیدی بصیرت اور ایک محققانہ تنقیدی بصیرت میں فرق کیا جانا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان متون کو ایک زبردست محققانہ تنقیدی بصیرت کے ساتھ چھان پھٹولا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک مذکورہ متون کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے مقالات کو متعلقہ شعبہ کے علماً کے مقالات پر بدرجہا فضیلت حاصل ہے۔

محراب تحقیق میں شامل مقالات کا ایک سلسلہ ایک قدیم خطی بیاض سے منسلک ہے۔ یہ بیاض اٹک کے ایک کتاب خانے سے بازیاب ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کی نظرِ انتخاب کی مستحق ٹھہری۔ مؤلف نامعلوم، سن تالیف نامعلوم، ناقص الاول و آخر۔ تاہم ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف اس میں شامل متون کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی بلکہ سترہویں صدی کے ایک غزل گو حسام الدین لاہوری اور پندرہویں صدی کے ایک مثنوی نگار شیخ رحمت اللہ کے اردو شعری نمونے بھی اس بیاض سے ڈھونڈ نکالے ہیں۔ تحقیقی اعتبار سے اس سلسلۂ مقالات پر کئی سوال اٹھائے جاسکتے ہیں لیکن میری نظر ڈاکٹر صاحب کی اس محنت پر ہے جو اس متن کو پڑھنے میں انھوں نے گوارا کی۔ ایک قدیم متن کو قرأت کرنا اور اس کے تدوینی مسائل سے عہدہ برآ ہونا بذاتِ خود ایک قابلِ رشک تحقیقی وظیفہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ وظیفہ اختیار کیا اور نتیجتاً ہمارے سامنے حسام الدین لاہوری کی غزل، اور شیخ رحمت اللہ کی مثنوی ایک قابلِ مطالعہ صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہی بات ''بارہ ماہیۂ نجم'' کے متن کی تدوین کے حوالے سے بھی کہی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان متون کی تدوین میں جس فنی مہارت اور علمی ذکاوت کا ثبوت دیا ہے اس کی داد اِن متون کے مطالعے کے دوران میں خود بخود وجود پذیر
ہوتی ہے۔ بعض جگہوں پر استفہام و تعجب کی صورتحال
بھی پیدا ہوتی ہے لیکن مجموعی کیف اس صورتحال کو جلد زائل کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر ایک صاحب وجد محقق ہیں اور یہ بات میں ان کے موضوعات اور مزاجِ تحقیق کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا اور نہ ہی اس کا سیاق ڈاکٹر صاحب سے وہ چند ملاقاتیں ہیں جو ان کے التفات وکرم کے باعث مجھے میسر آئیں؛ بلکہ اس کی بنیاد ڈاکٹر صاحب کا اسلوب تحقیق ہے۔ رنگ ونور اور عجز وعقیدت سے بھرے الفاظ کا ایک دریا ان کی تحریروں میں رواں دواں نظر آتا ہے اور بسا اوقات اس سحر بیانی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے یہ سوال بھی اٹھنے لگتا ہے کہ کیا یہ تحقیقی اسلوب ہے؟ جواب کبھی نفی میں آتا ہے اور کبھی اثبات میں۔ لیکن جہاں وجد کی بات ہو، استغراق، انہماک اور صوفیانہ عمل کی بات ہو تو وہاں تحقیق کے کسی ریاضیاتی اسلوب کو معیار بنا کر سامنے رکھ لینا صریح ناانصافی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا اسلوب تحقیق آپ اپنا معیار ہے اور میں اسے وجد آور تحقیقی اسلوب کہہ کر اس کی تکریم کروں تو اس کی وجہ ڈاکٹر صاحب سے میرا نیاز مندانہ تعلق نہیں، اس سے آگے پر نظر ہے؛ بارگاہ مشائخ میں حاضری علم اور عجز کے ایک خاص امتزاج کا تقاضا کرتی ہے، اور غالباً یہاں یہی مقصود اور معیار اور کسوٹی ہے۔

کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈیؒ دے پنجابی خطی نسخے

کیفیت نگار: ڈاکٹر ارشد محمود ناشادؔ

ناشر: پنجابی ادبی سنگت، اٹک

کتاب: دل کی باتیں (کالم) مصنف: میاں تہور حسین

پبلشرز: مصنف خود، اسلام آباد مبصر: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

حقیقی قلم کار معاشرے کی آنکھ ہوتا ہے۔ جیتی جاگتی اور منظر کے باطن میں جھانک کر نئے جہانوں کی خبر لانے والی آنکھ۔ عام افرادِ معاشرہ منظر پر سرسری نگاہ ڈال کر گزر جاتے ہیں اس لیے ''جہانِ دیگر'' کے نظارے سے ان کی نگاہیں محروم رہتی ہیں۔ قلم کار جب اپنے گرد و پیش کے منظروں سے نئی دُنیاؤں کا سراغ لگاتا ہے تو معاشرہ اس کی جانب حیرت سے دیکھنے لگ جاتا ہے۔ قلم کار کا مقصد محض حیرت آفرینی اور لوگوں کو چونکانا نہیں، اس کا وظیفہ تو قطرے میں قلزم تلاشنا اور گرد و پیش کے بحرِ ناپیدا کنار میں اُتر کر گوہرِ مراد ڈھونڈ لانا ہے۔ وہ جب اپنے مشاہدے کی سچائی اور تجربے کی گہرائی کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرتا ہے تو اس کا جذب و احساس بھی اس میں گندھا ہوتا ہے۔ افرادِ معاشرہ کے لیے اس کی تحریریں بصیرت و بصارت کے نئے دریچے وا کرتی ہیں۔ منظر کا حسن و قبح ان پر منکشف ہوتا ہے۔ یہ تحریریں سمت نمائی کا فریضہ بھی ادا کرتی ہیں اور خلقِ خدا کی رہنمائی بھی۔ حقیقی قلم کار خیر کا نمائندہ اور سچائی کا نقیب ہوتا ہے۔ قلم کاروں کے قافلے میں بسا اوقات ایسے افراد بھی شامل ہو جاتے ہیں جو معمولی منفعت کے لیے قلم کی حرمت کا سودا کر لیتے ہیں۔ قلم جب آلودۂ نان و نمک ہو جاتا ہے تو خود بہ خود تاثیر کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے قلم کار جلد یا بہ دیر ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔ صورتِ بیمار و تندرست آشکار ہو کر رہتی ہے۔

کالموں کا زیرِ نظر مجموعہ ایک ایسے قلم کار کے جذب و احساس کا مظہر ہے جو معروف معنوں میں ادیب نہیں۔ قلم کے ساتھ ان کا تعلق بھی کئی دہائیوں پر پھیلا ہوا نہیں۔ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد وہ غیر ارادی طور پر کالم نگاری کے میدان میں اُترے اور لطف یہ کہ بہت جلد ان کے کالم پڑھے جانے لگے۔ ادبی گروہ بندی سے دُور اور ادیبوں کے حلقے سے الگ رہ کر محض اپنے اظہار کی لیاقت سے اپنا مقام بنا لینا ہر ایک کا مقسوم نہیں ہوتا۔ میاں تہور حسین، کالموں کے زیرِ نظر مجموعے کے خالق معروف بیوروکریٹ ہیں۔ ان کی عملی زندگی بیوروکریسی کے لیے وقف رہی۔ وہ وزارتِ دفاع اور

وزارتِ تجارت میں بہت اعلیٰ انتظامی عہدوں پر متمکن رہے۔ملکوں ملکوں گھومنے اور قریہ قریہ دیکھنے کا انھیں خوب موقع ملا۔حکومتوں کے بھید بھاؤ سے وہ پوری طرح آشنا اور عالمی طاقتوں کے طور طریقوں سے وہ پوری طرح واقف ہیں۔سیاست کی رمزیں ان پر آشکار ہیں اور معیشت و معاشرت کے آداب و مسائل ان پر منکشف۔حیرت ہے کہ وہ بیوروکریٹ ہوتے ہوئے بھی عام آدمیوں کا درد محسوس کرتے ہیں۔بے بسوں اور ناتوانوں کے خواب آنکھوں میں سجائے پھرتے ہیں۔غریبوں اور ناداروں کی بے بسی پر ان کی آنکھ نم ناک ہوتی ہے اور اخلاقی قدروں کے زوال پر ان کا دل کُڑھتا ہے۔بیوروکریسی میں اتنے سال کی کامیاب ملازمت کے باوجود ان کا باطن اُجلا ہے۔عجز ان کا مسلک اور فروتنی ان کا شعار ہے۔وہ طبعاً درویش اور سیرتاً دردمند انسان ہیں۔بیوروکریسی کا کروفر، تجمّل و تہور اور شان و شکوہ ان کی درویشی کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔پہلی ملاقات میں ہی وہ اپنے مخاطب کو حیران کر دیتے ہیں۔

میاں تہور حسین کی کالم نگاری کا مقصد نہ تو معاشی ضروریات کی تکمیل ہے اور نہ وسیلۂ شہرت و جاہ۔انھوں نے صلہ و ستائش کی تمنا سے بے نیاز ہو کر اس کام کو اپنے لیے وظیفۂ حیات ٹھہرا لیا ہے۔اپنے گرد و پیش کے منظروں سے جھانکتی ہوئی وحشت و بربریت، قرب و جوار میں بسنے والوں کی بے بسی و لاچاری، عدل و انصاف کو ترستی ہوئی مخلوقِ خدا کی گریہ وزاری، سیاست دانوں، وڈیروں، حاکموں اور وارثانِ محراب و منبر کے آہنی شکنجوں میں جکڑی ہوئی پاکستانی قوم کی چیخ پکار انھیں کالم لکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ان کا سینہ مشاہدات کا گنجینہ اور معارف کا خزینہ ہے۔وہ صحیح معنوں میں سرد و گرم چشیدہ ہیں، اس لیے ان کا کالم مفلسوں اور لاچاروں کا نوحہ بھی ہے اور ظالمانہ رویوں کے خلاف ایک چیخ بھی۔ ان کا قلم جہاں دکھی دلوں کے لیے مرہم ہے وہاں اربابِ جبر و استبداد کے لیے نشتر بھی۔

میاں تہور حسین کے یہ کالم ان کے ایمان و ایقان اور عقیدے کے آئینہ دار ہیں۔اسلام اور پاکستان سے ان کی بے پایاں محبت سطر سطر اور لفظ لفظ میں جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔وہ اپنے عقیدے کے اظہار اور پاکستان کی محبت کے بیان میں کسی طرح کے احساسِ کہتری کا شکار نہیں ہوتے بلکہ جوش و جذبہ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے اور اس پر دامنِ ناز اڑاتے دکھائی دیتے ہیں۔مسلمانوں کی بے بسی اور

پاکستانیوں کی پامالی ان کے سینے کو گراں بار اور ان کی آنکھوں کو پُرنم کر دیتی ہے۔ انھیں یہ دُکھ بے چین کیے رکھتا ہے کہ بہترین امت ہونے کے باوجود مسلمان عالمی برادری میں کیوں ہدفِ تحقیر اور نشانۂ ملامت بنے ہوئے ہیں؟ فرزندانِ پاکستان ایک آزاد، خود مختار اور پہلی نظریاتی مملکت کے شہری ہونے کے باوجود کیوں ذلت ونکبت کا شکار ہیں؟ وہ حالات کا جائزہ لیتے ہیں، وہ معروض میں جھانکتے ہوئے ان اسباب وعوامل کی کھوج کرتے ہیں، جن کے باعث امتِ مسلمہ اس عذاب سے گزر رہی ہے۔ وہ مسلمانوں کی مذہب واخلاقیات سے دوری، مسلمان ممالک کی بے حسی، عالمی طاقتوں سے مرعوبیت، ہوسِ مال ومنصب، انتشار وافتراق، بغض وعداوت اور بے عملی وکم کوشی جیسے کئی اسباب وعوامل کی چلتی پھرتی تصویریں سامنے لاکر مسلمانوں کو آئینہ دکھاتے ہیں۔ مسلمان رہنماؤں کی مکاریوں اور عیاریوں کو بے نقاب کرتے اور انھیں جھنجھوڑتے ہیں۔ وہ اپنے معاشرے کی تباہ حالی کا جائزہ لیتے ہیں تو سارے منظران کے سامنے روشن ہو جاتے ہیں۔ پاکستانی قوم کی زبوں حالی کا سب سے بڑا سبب وہ سیاسی نظام کو قرار دیتے ہیں؛ کہیں کہیں ان کا لہجہ تلخ ہو جاتا ہے، وہ اپنے مخاطب کے عیب وہنر کا بے خوفی اور بے باکی سے اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستان کے سیاست کاروں کے عمومی رویے کا اظہار کرتے ہوئے وہ ایک کالم میں لکھتے ہیں:

> ''ہمارے ہاں قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک ہم ترقی کی منازل طے کرنے کی بجائے تیزی سے تنزلی کی جانب بڑھتے چلے جا رہے ہیں، کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہو رہی۔ جمہوری حکومتوں میں عوامی نمائندے عوام کے حقوق کے ضامن سمجھے جاتے ہیں جنھیں لوگ ووٹ کے ذریعے یہ فرض سونپتے ہیں لیکن الیکشن کے بعد گنگا الٹی بہنا شروع ہو جاتی ہے۔ عوامی نمائندے اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتے؛ طاقت کے سیاسی نشے میں مدہوش رہتے ہیں۔ کہیں وہ خود اور کہیں ان کے عزیز واقارب قانون شکنیوں کے مرتکب دکھائی دیتے ہیں، خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ رعونت، تکبر، بے رخی اور بے حسی ان کے اعمال سے ظاہر ہوتی ہے۔'' (سیاسی میکدے)

میاں تہور حسین اپنے کالموں میں محض سماجی، معاشرتی، مذہبی اور تہذیبی وثقافتی خرابیوں اور

برائیوں کی نشان دہی نہیں کرتے بلکہ ایک کامیاب معالج کی طرح وہ انھیں حل کرنے کی تجاویز بھی پیش کرتے ہیں۔ پاکستان آج جن مسائل میں گھرا ہوا ہے وہ اسے گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ میاں تہور حسین نے انتہائی دردمندی اور دُکھ کے ساتھ ان مسائل کا ذکر اپنے کالموں میں کیا ہے وہ غربت، بے روزگاری، تعلیمی اداروں کی حالتِ زار، ملکی اداروں کی بے ضابطگی، کرپشن، دہشت گردی، لاقانونیت، لسانی اور گروہی اختلافات، انتشار وافتراق اور بے حسی وخودغرضی کے مناظر کو بہ چشمِ نم پیش کرتے ہیں۔ ان کے کالم پڑھتے ہوئے آنکھوں میں نمی تیرنے لگتی ہے۔

میاں تہور حسین کے کالموں کا اسلوب نہایت رواں دواں اور شگفتہ ہے ان میں بہ یک وقت مضامین جیسی سنجیدگی بھی ہے اور کہانی جیسی دل کشی بھی۔ اسی وصف کے باعث ان کے کالموں میں شروع سے آخر تک ایک دل چسپی کی فضا قائم رہتی ہے جو قاری کی توجہ کو ادھر اُدھر نہیں ہونے دیتی۔ وہ حالات وواقعات کی منظر کشی نہایت عمدگی سے کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر پھرنے لگتا ہے۔ کہیں کہیں لطائف وظرائف سے کام لے کر سنجیدگی کا سحر توڑ دیتے ہیں مگر دل لگی کی اس فضا میں بھی وہ اپنے مقصد سے غافل نہیں ہوتے۔ ان کے کالموں کی زبان واضح، صاف اور غیر مبہم ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو بہ تمام وکمال پیش کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر دل کشی اور دل پذیری کے اوصاف سے خالی نہیں۔ مجھے امیدِ واثق ہے کہ کالموں کا یہ مجموعہ پڑھنے والوں کے وسیع حلقے میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ میں کھلی بانہوں کے ساتھ اس مجموعے کا استقبال کرتا ہوں۔

خانقاہِ معلیٰ غوثِ زماں حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی، تونسہ شریف (ڈیرہ غازی خان)

خانقاہِ معلیٰ حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ، میرا شریف (پنڈی گھیب، اٹک)

QINDEEL-E-SULEMAN 4

طوطیٔ ہند حضرت خواجہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

کے عرس مبارک پر چراغاں کا ایک منظر (دہلی۔انڈیا)